احباب نوٹ فرمالیں!

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں کلاسز کا آغاز الحمدللہ یکم ستمبر سے ہو گیا ہے۔

- ابتدائی تین دن تعارفی نوعیت کے لیکچرز کے لئے مخصوص ہیں۔ باضابطہ تدریس کا آغاز چھ ستمبر سے ہو گا۔
- 10 ستمبر تک کورس میں داخلہ کے لئے رابطہ کرنے والے حضرات کو شامل کورس کیا جاسکے گا۔

طالبانِ علم قرآن کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اس کورس میں شریک ہو کر فہم قرآن کی جانب ٹھوس پیش رفت کر سکتے ہیں!

المعلن : ناظم قرآن کالج' رابطہ : : 03-5869501

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں

I.Com., ICS., F.A میں لیٹ فیس کے ساتھ

20 ستمبر تک داخلے جاری ہیں

☆ **قرآن کالج فار گرلز** میں بھی داخلے ابھی جاری ہیں۔

☆ دونوں درس گاہوں میں تدریس کا آغاز الحمدللہ یکم ستمبر سے ہو چکا ہے۔

☆ داخلہ کے خواہش مند طلبہ اور طالبات فوراً رجوع کریں۔

المعلن : ناظم قرآن کالج فون : 03-5869501

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۸ | جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ — ستمبر ۱۹۹۹ء | شمارہ ۹

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴- فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱- داؤد منزل متصل شاد بیکری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زر تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

قرآن کالج فار گرلز کا قیام

قرآن کی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر عام کرنا اور خاص طور پر پڑھے لکھے نوجوانوں کو قرآن حکیم کی جانب راغب کرنا مرکزی انجمن خدام القرآن کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے جس کے صدر موسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ۱۹۷۷ء میں قرآن اکیڈمی قائم کی گئی تھی اور پھر ۱۹۸۷ء سے قرآن کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قرآن کالج میں طلبہ کے لئے بورڈ اور یونیورسٹی کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ عربی گرامر اور تجوید کے علاوہ قرآن حکیم کے منتخب مقامات کا مطالعہ بھی ان کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کالج سے اللہ کے فضل و کرم سے سینکڑوں طلبہ استفادہ کر چکے ہیں جو جدید دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ملک و قوم اور دین و مذہب کی خدمت میں مصروف ہیں۔

لیکن تاحال یہ سارا انتظام صرف طلبہ (Boys) کے لئے تھا۔ احباب کی جانب سے شدید تقاضا تھا کہ بچیوں (Girls) کے لئے بھی اس نہج پر کوئی تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے۔ آئندہ نسل کی دینی و اخلاقی تربیت کی ذمہ داری چونکہ صنف نازک پر عائد ہوتی ہے اس لئے بچیوں کو سکول و کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے آراستہ اور دینی اقدار سے مزین کرنا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ تاہم ضروری وسائل کی کمی آڑے آتی رہی ـــــ اب الحمدللہ سال رواں سے قرآن کالج فار گرلز کا اجراء کر دیا گیا ہے۔ اس کے لئے ماڈل ٹاؤن 'K' بلاک میں ایک مناسب عمارت ایک صاحبِ خیر نے فراہم کر دی ہے (فجزاھم اللہ احسن الجزاء) اور مرکزی انجمن کے مقاصد سے دلچسپی رکھنے والا انتظامی اور تدریسی سٹاف بھی اللہ کے فضل و کرم سے دستیاب ہو گیا ہے ـــــ طالبات کو دنیاوی تعلیم کے زیور سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں دینی تعلیم سے بھی آراستہ کرنا اس کالج کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس کالج میں طالبات کو جدید خطوط پر معیاری تعلیم مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

قرآن کالج فار گرلز میں چھٹی کلاس سے ایف اے تک تدریس کا اہتمام کا پیش نظر ہے۔ گویا ہائی سکول کی تعلیم کا پورا انتظام بھی کالج کے تحت ہو گا۔ السعی منا و الاتمام من اللّٰہ

درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملّی زندگی

کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

—— (۴) ——

چھ معاشرتی و مجلسی برائیاں

اور ان سے باز رہنے کے تاکیدی احکام

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (الحجرات ۱۱'۱۲)

"اے ایمان والو! تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے' ہو سکتا ہے کہ وہ گروہ ان سے بہتر ہو۔ اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق

اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی تم اپنے آپ کو عیب لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کے بڑے نام رکھو۔ ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے۔ اور جو اس سے باز نہیں آئے گا تو (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! کثرت سے گمان کرنے سے بچو' اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ٹوہ لگایا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم سے کوئی شخص اسے پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس یہ بات تو تمہیں انتہائی ناپسند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم فرمانے والا ہے۔"

سورۃ الحجرات کے درس کے بارے میں تمہیدی گفتگو میں یہ بات عرض کی گئی تھی کہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کو اگر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو پہلے اور آخری حصے میں مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی اور حیات ملی سے متعلق نہایت اہم اور اساسی و بنیادی باتیں زیر بحث آئی ہیں۔ درمیانی حصے میں مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق اور محبت و مودت کی فضا کو برقرار رکھنے کے لئے اور اختلاف و افتراق و عداوت کے سدباب کے لئے چند احکام دیئے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ دو حکم بڑے ہیں اور چھ ان دو کے مقابلے میں چھوٹے ہیں۔ میری اس بات سے کوئی غلط فہمی راہ نہ پائے' اس لئے جان لیجئے کہ قرآن مجید کی کوئی بات چھوٹی نہیں ہے' لیکن قرآن حکیم کی باتوں کے مابین ایک نسبت و تناسب ممکن ہے۔ چنانچہ اب ہم جن دو آیات (۱۱'۱۲) کا مطالعہ کر رہے ہیں' ان میں وہ چھ احکام بصورتِ نواہی آ رہے ہیں۔

ان چھ احکام کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ مجلسی برائیاں ہیں جو ہمارے یہاں بہت عام ہیں اور انہیں عام طور پر حقیر اور بہت معمولی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان کی وجہ سے بسا اوقات باہم دل پھٹ جاتے ہیں' رشتہ محبت و مودت منقطع ہو جاتا ہے اور نفرت و کدورت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ اگر ہم امت مسلمہ کو ایک فصیل سے تشبیہ دیں تو ظاہر بات ہے کہ فصیل اینٹوں سے بنی ہوتی ہے اور فصیل کے مضبوط ہونے میں دو چیزیں فیصلہ کن ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر اینٹ پختہ ہو اور دوسرے یہ کہ ان اینٹوں کو باہم جوڑنے والا مسالہ بھی خالص اور مضبوط ہو۔ ان دونوں میں سے ایک چیز بھی کمزور اور غیر خالص ہو گی تو اس کا نتیجہ فصیل کی کمزوری کی صورت میں نکلے گا۔ ہم نے قرآن کریم کی ان

آیات پر بھی غور کیا ہے جن میں نہایت تاکید کی گئی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کے ہر ہر فرد کے سیرت و کردار کو پختہ کیا جائے۔ اور آج ہم ان آیات کا مطالعہ کر رہے ہیں جن میں مسلمانوں کے افراد' اشخاص' کنبوں' خاندانوں' قوموں اور قبیلوں کو جوڑنے والے مسالے کو مضبوط اور خالص رکھنے کے لئے جن چیزوں سے بچنا ضروری ہے' وہ ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

تمسخر و استہزاء سے گریز کا حکم

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ ـــــ ﴿لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾ ـــ اور ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾ ـــ عام طور پر قرآن مجید میں جو احکام آتے ہیں وہ صرف مَردوں سے خطاب کر کے ارشاد ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ احکام صرف مَردوں ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ عربی گرامر کا یہ قاعدہ ہے کہ خطاب میں بر سبیلِ تغلیب کسی ایک چیز کا ذکر کر دینے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دوسری چیز' جو اس کے تابع ہے وہ بھی مخاطب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر احکام صیغۂ مذکر میں دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس حکم کی خواتین کے لئے خاص طور پر تکرار آئی ہے۔ اس تکرار کی حکمت اور وجہ تھوڑے سے غور سے سمجھ میں آ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مجلسی خرابی مَردوں کے مقابلے میں عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ مَردوں کے سامنے زندگی کے بہت سے اہم ترین مسائل اور تلخ تر حقیقتیں رہتی ہیں اور ان میں ان کی مشغولیت رہتی ہے' جبکہ خواتین کا دائرہ عمل چونکہ بالعموم محدود رہتا ہے لہٰذا یہ باتیں ان میں زیادہ رواج پا جاتی ہیں۔ کسی کے لباس پر کوئی فقرہ چست کر دیا' کسی کی شکل و صورت کے بارے میں کوئی استہزائی انداز کا تبصرہ کر دیا۔ کسی کا رہن سہن اور چلن اگر فیشن کے مطابق نہیں ہے تو اس کا تمسخر اڑا دیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہم قرار دے کر ان پر اس طرح کی پھبتیاں چست کر دینا' ان پر استہزائی اور تمسخر کے انداز میں تبصرے کر دینا' عام طور پر عورتوں کی مجلسی زندگی میں یہ برائی زیادہ پائی جاتی ہے' لہٰذا اس کا یہاں خاص طور پر علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ خرابی مَردوں میں نہیں ہے۔ مَردوں میں بھی یہ برائیاں موجود ہیں' چنانچہ پہلے انہیں خطاب کیا گیا اور اس کے بعد اسے خواتین کے لئے دہرا دیا گیا۔

اب اگر آپ مزید غور کریں گے تو واضح ہو گا کہ باہم دوستوں میں بھی ایک دوسرے کا تمسخر و استہزاء بسا اوقات رنجش کا سبب بن جاتا ہے اور دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مذاق کسی دوست سے دس مرتبہ کیا گیا اور وہ برداشت کر گیا' لیکن کسی وقت اس کا موڈ آف ہے تو ایسے میں ہو سکتا ہے کہ وہی مذاق اس کی برداشت سے باہر ہو جائے اور وہ پھٹ پڑے اور یہ پھٹ پڑنا ہو سکتا ہے کہ دیرینہ سے دیرینہ دوستی کے رشتے کو منقطع کرنے کا باعث بن جائے۔ یہ معاملہ خالص افراد کی سطح پر بھی ہو سکتا ہے اور گروہوں' خاندانوں' کنبوں اور قبیلوں کی سطح پر بھی ہو سکتا ہے۔ پس پہلا حکم یہ دیا گیا کہ تمسخر اور استہزاء سے باز رہو۔

اب دیکھئے کہ اس میں اپیل کا ایک بڑا مؤثر انداز بھی موجود ہے' جس سے زیادہ مؤثر اسلوب ممکن نہیں ہے۔ مَردوں کے لئے فرمایا ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ اور عورتوں کے لئے فرمایا ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ﴾ تم جس کی ظاہری کمزوری یا عیب کو دیکھ کر مذاق اڑا رہے ہو' اس پر فقرے چست کر رہے ہو' اس شخص کے متعلق تمہیں کیا معلوم کہ اس کے دل میں اللہ کی کتنی محبت ہو' اس کے دل میں محبت رسولؐ کا کتنا بڑا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو' اور اللہ کو تو قدر ان چیزوں کی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں الفاظ آئے ہیں : ((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَادِكُمْ وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ)) "اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اللہ کی نگاہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال پر ہے۔" لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ سیرت و کردار اور اللہ اور رسولؐ کی محبت و اطاعت اور فرمانبرداری میں تم سے کہیں آگے ہو' اللہ کے یہاں اس کا رتبہ بہت بلند ہو ـــــ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی جو شکل و صورت تھی' اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ پھر انؓ کا حال یہ تھا کہ عربی کے بعض تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بات مشہور و معروف ہے کہ انؓ سے شین بالکل ادا نہیں ہوتا تھا۔ اذان میں وہ "اَسْهَدُ اَن لا اِلٰه الا اللّٰه' اَسْهَدُ اَنَّ محمَّدًا رسولُ اللّٰه" کہا کرتے' لیکن انؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ' آخرت اور رسالت پر جو ایمان تھا اور انؓ کے ریشے ریشے میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی جو شدید محبت رچی بسی تھی اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین' خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ ان سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ تو پہلی بات یہ سامنے آئی کہ کسی کا تمسخر و استہزاء نہ کرو' اور اس کے لئے نہایت مؤثر اپیل کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

عیب جوئی کی ممانعت

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ : ﴿ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ "خود اپنے آپ کی عیب چینی نہ کیا کرو" جو تنگ نظر رکھنے والا انسان ہو گا' جس کا اپنا ظرف چھوٹا ہو گا' اس میں یہ بات نظر آئے گی کہ وہ دوسروں کے عیب تلاش کرے گا' عیب چینی کرے گا' عیب جوئی کرے گا' ان کی کسی برائی کو ان کے منہ پر دے مارے گا' دوسروں کی توہین کرنے کو اپنا وطیرہ بنا لے گا۔ اب یہاں دیکھئے کہ کیسا پر تاثیر اسلوب اختیار فرمایا گیا ہے : ﴿ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کہ تم اگر کسی مسلمان کی عیب جوئی کر رہے ہو' اس پر عیب لگا رہے ہو' اس کے عیب ظاہر کر رہے ہو تو وہ تمہارا اپنا مسلمان بھائی ہے۔ گویا اس طرح تم نے خود اپنے آپ کو عیب لگایا ہے۔ اب اس سے زیادہ مؤثر اپیل کا انداز اور دلنشیں پیرایہ ممکن نہیں ہے۔ جیسے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دیا کرو"۔ اس پر کسی نے عرض کیا کہ "کون شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا "اگر تم کسی کے ماں باپ کو گالی دو گے اور وہ پلٹ کر تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا تو درحقیقت یہ تم نے خود اپنے والدین کو گالی دی"۔ اگر یہ بات دل کی گہرائی میں اتر جائے تو ﴿ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کی بلاغت و حکمت واضح ہو کر سامنے آ جائے گی۔

تحقیر آمیز ناموں سے پکارنے کی ممانعت

تیسرا حکم آیا ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ ایک دوسرے کے برے نام' چڑانے والے نام' تحقیر آمیز نام رکھ کر ان ناموں سے کسی کو مت پکارا کرو۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے انسان کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور اس کا ردِّ عمل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کمزور ہو' احتجاج نہ کر سکے اور "قہرِ درویش بر جانِ درویش" کے مصداق اسے اندر ہی اندر ضبط رہا ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے جذبات مجروح نہیں ہوئے۔ یہی چیز وہ صورت اختیار کر سکتی ہے جیسے دو اینٹوں کے درمیان ان کو جوڑنے والا مسالہ

کمزور پڑ جائے اور اپنی جگہ چھوڑ دے تو یہ چیز دشمن کے اندر در آنے کا سبب بن سکتی ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ ایسے تمام رخنوں کو بند رکھنے کا اہتمام کرو۔ اس معاملہ میں احتیاط کا دامن تھامے رکھو۔

یہاں پھر دیکھئے کہ انتہائی مؤثر اور دلنشین پیرایۂ بیان اختیار فرمایا گیا ہے: ﴿ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ﴾ "ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے۔" جب اللہ نے تمہیں ایمان جیسی دولت عطا فرمائی' تمہیں جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف عطا فرمایا' تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اور پستی کی طرف تمہارا یہ رجحان اس مقام سے مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔

اس ترغیب کے ساتھ ہی اب ترہیب و تہدید اور دھمکی بھی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ "اور جو باز نہیں آئیں گے' رجوع نہیں کریں گے' اللہ کی جناب میں توبہ نہیں کریں گے تو جان لو کہ اللہ کے نزدیک ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔" یعنی ایسے لوگوں کو آخرت میں اپنے ایسے تمام افعال و اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی اور ان کی سزا بھگتنی ہوگی' ان تمام چیزوں کو account for کرنا پڑے گا۔ یہ چیزیں ایسے ہی نہیں رہ جائیں گی جن کا حساب نہ لیا جائے۔

اگلی آیت میں پھر تین احکام بصورت نواہی آئے۔ قرآن مجید کا اعجاز بیان دیکھئے کہ ان چھ باتوں کو دو آیتوں میں تقسیم کیا' تین پہلی آیت میں اور تین دوسری آیت میں۔ لیکن پہلی آیت میں وہ تین باتیں آئی ہیں جو رُو دَر رُو ہوتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ طنز سامنے کیا جائے گا' طعنہ سامنے دیا جائے گا' تمسخر و استہزاء سامنے ہی کیا جائے گا' تب ہی تو اس سے لذت حاصل ہوگی۔ اسی طریقہ سے کسی کو برے نام سے پکارنے کا معاملہ بھی علی الاعلان ہوگا۔

بدگمانی سے بچنے کی تاکید

اگلی آیت میں ان تین برائیوں کا بیان آرہا ہے جن کا اخفاء کے ساتھ یا پیٹھ پیچھے ارتکاب ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ﴾ "اے اہل ایمان' گمان کی کثرت سے بچو۔" یعنی خواہ مخواہ کسی کے بارے میں دل میں ایک گمان قائم کرلینا' کسی کے بارے میں خواہ مخواہ دل میں کوئی برا خیال بٹھا لینا' خواہ مخواہ کسی کے

بارے میں دل میں یہ رائے قائم کرلینا کہ اسے مجھ سے دشمنی ہے، اسے مجھ سے کد ہے، جبکہ اس کے لئے کوئی دلیل اور بنیاد موجود نہ ہو۔ اسی طرح خواہ مخواہ کسی کے بارے میں کسی اور اعتبار سے سوئے ظن قائم کرلینا، اس سے روکا گیا ہے۔ یہاں بھی اپیل کا انداز دیکھئے، ارشاد ہوا ﴿ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ "یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔" ہو سکتا ہے کہ تمہارا کوئی گمان درست ہو لیکن یہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔ گمان تو گمان ہی ہے، علم تو نہیں ہے۔ لہٰذا تم نے بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی بنیاد کے کسی مسلمان بھائی کے بارے میں کوئی برا خیال اپنے دل میں بٹھالیا ہے، کوئی غلط رائے قائم کرلی ہے تو یہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی اور تمہیں اس پر سزا بھگتنی پڑے گی۔

تجسّس کی ممانعت

دوسری بات فرمائی ﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ کسی کی ٹوہ میں رہنے اور تجسّس سے منع کیا جا رہا ہے ـــــ جیسے مکھی بیٹھنے کے لئے گندگی تلاش کرتی ہے، ایسے ہی بعض پست ذہنیت رکھنے والے لوگوں کا یہ ایک ذوق اور مشغلہ ہوتا ہے کہ اس ٹوہ میں لگے رہیں کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ ان دو بھائیوں کے تعلقات ٹھیک ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ان دو دوستوں میں بڑا گہرا قلبی تعلق ہے، ایسا کیوں ہے؟ کہیں کوئی بات سامنے آئے جس سے ان کا کوئی اختلافی معاملہ ہمارے علم میں آجائے۔ اس تجسّس اور ٹوہ کے وطیرے سے روکا گیا۔ بلکہ احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے اور تلقین فرمائی ہے کہ اگر تمہارے کسی بھائی کا کوئی عیب بغیر اس کے کہ تمہارا اس کو جاننے کا ارادہ تھا، تمہارے علم میں آجائے تو حتی الامکان اس کی پردہ پوشی کرو۔ اگر دنیا میں تم اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب کی پردہ پوشی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔ اس تلقین، اس تعلیم اور اس اخلاقی ہدایت کو سامنے رکھیں تو ایک مسلم معاشرے میں برکات ہی برکات نظر آئیں گی۔

غیبت کی شناعت

اس آیت میں تیسری اور آخری بات فرمائی: ﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ "اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔" کسی کے پیٹھ پیچھے، کسی کی عدم موجودگی میں اس کی

برائی بیان کرنا غیبت ہے جبکہ نیت اس کی توہین و تذلیل کی ہو۔ یعنی اس کے بارے میں بری بات کو اس ارادے سے لوگوں تک پہنچانا اور پھیلانا تاکہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی وقعت نہ رہے۔ اسی آیت مبارکہ میں اس غیبت کی مذمت بڑے شدید انداز میں بیان ہوئی۔ ارشاد ہوا: ﴿ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ﴾ "کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے' پس اسے تو تم بہت ناگوار سمجھتے ہو!" اب دیکھئے کہ اس میں مناسبت کیا ہے؟ جو شخص فوت ہو چکا ہے' وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ آپ جہاں سے چاہیں اس کی بوٹی اڑالیں۔ اسی طرح جو شخص موجود نہیں ہے وہ اپنی عزت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی صفائی اور مدافعت میں کچھ کہہ نہیں سکتا' ہو سکتا ہے کہ آپ کو کوئی مغالطہ ہوا ہو' ہو سکتا ہے کہ آپ اس کے بارے میں جو بات کہہ رہے ہیں وہ غلط ہو' اگر وہ موجود ہو گا تو وضاحت کر سکے گا' لیکن اگر وہ موجود نہیں ہے تو اپنی عزت کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے' جیسے ایک مردہ لاش اپنے جسم کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اگر آپ نے اپنے کسی غیر موجود مسلمان بھائی کی کوئی برائی بیان کی ہے تو یہ غیبت ہے اور در حقیقت یہ اخلاقی سطح پر بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی مردہ بھائی کی لاش سے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں۔

چند استثناءات

البتہ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ تینوں چیزیں وہ ہیں جن میں کچھ استثناءات ہیں۔ بعض قرائن اور ظاہری شواہد کی بنیاد پر کسی کے متعلق بدگمانی دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہو گا کہ جلد از جلد اس کے متعلق اپنی استعداد کے مطابق تحقیق کر لی جائے۔ اسی طرح حکومت تفتیش اور صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لئے تجسس کر سکتی ہے۔ وہ یہ جاننے کے لئے تجسس کا ایک مستقل شعبہ اور محکمہ قائم کر سکتی ہے کہ ملک میں غیر ملک کے جاسوس تو سرگرم عمل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں وہ خود بھی دوسرے ممالک میں جاسوسی کا کوئی نظام قائم کرے تو یہ غلط نہ ہو گا' کیونکہ اس مقصد کے پیچھے ملک کی سلامتی کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ کسی خاندان میں آپ اپنی اولاد کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں' یا کسی خاندان سے آپ کے بیٹے بیٹی کے لئے رشتہ آیا ہے تو آپ صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے تجسس یا بالفاظِ دیگر تحقیق و تفتیش کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اس نیت اور ارادے کے بغیر کہ اپنے کسی بھائی کی عزت پر حملہ کرنا مقصود ہو' اگر کسی مسلمان کی کوئی برائی بیان کرنے کی ناگزیر ضرورت پیش آجائے تو اس کا شمار غیبت میں نہیں ہو گا۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا کہ اگر آپ کے کسی بھائی کا کہیں رشتہ طے پا رہا ہے اور وہاں کی کوئی غیر مناسب بات آپ کے علم میں ہے اور آپ اپنے اس دینی بھائی کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت اسے وہ بات بتا رہے ہیں تو یہ غیبت شمار نہیں ہو گی۔ مزید برآں جہاں واقعتاً کوئی تمدنی ضرورت ہو تو کسی کی غیر موجودگی میں اس کی کسی بری بات کو' جو فی الواقع اس میں ہو' بیان کر دینا غیبت کی تعریف سے خارج ہو جائیگا۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوا ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴾ "اور (ہر حال میں) اللہ کی نافرمانی سے بچو (اگر خطا ہو جائے تو اس کے حضور میں توبہ کرو)۔ یقیناً اللہ نہایت معاف کرنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔" کسی بندۂ مومن سے خطا ہو جائے تو اس کے لئے صحیح ترین رویہ یہ ہے کہ وہ اس پر پشیمانی کا اظہار کرے اور اللہ کی جناب میں رجوع کرے اور اس سے توبہ اور معافی کا طالب ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت معاف فرمانے والا' توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا پائے گا۔

بہرحال ان دو آیات میں چھ نواہی بیان ہوئے۔ تمسخر و استہزاء سے بچنا' عیب جوئی اور عیب چینی سے بچنا' ایک دوسرے کے برے نام رکھنے سے بچنا' سوئے ظن سے اجتناب کرنا' تجسس اور غیبت سے بچنا۔ اگر ان نواہی کو ملحوظ رکھا جائے تو ایک مسلم معاشرے میں افراد کو ایک دوسرے سے کاٹنے یا گروہوں' خاندانوں اور کنبوں کے درمیان رشتہ محبت اور اخوت و مودت کو منقطع کرنے کے لئے جو رخنے پیدا ہو سکتے ہیں' ان سب کا سدّباب ہو جائے گا۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴾

(آیت ۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے

نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا ہے (اور) باخبر ہے۔"

آپ کو یاد ہو گا کہ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصے میں اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ' خواہ وہ ریاست کی صورت میں ہو خواہ معاشرہ کی شکل میں ہو' اس کی دو اساسات کا ذکر تھا ـــــ ایک دستوری اور قانونی اساس کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر رہو' اس سے تجاوز نہ کرو ـــــ اور دوسری ایک قلبی اور جذباتی بنیاد' یعنی آنحضور ﷺ کی مرکزی شخصیت سے مضبوط تعلق خاطر' آپؐ سے انتہائی درجے کی قلبی محبت' آپؐ کا ادب و احترام اور آپؐ پر بحیثیت رسول پختہ ایمان۔ اس آخری حصے میں انسان کی ہیئتِ اجتماعیہ سے متعلق پھر نہایت اہم باتیں سامنے آ رہی ہیں۔

مساواتِ انسانی کی دو بنیادیں

اب جو آیت زیر مطالعہ ہے اس کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کیجئے کہ یہاں خطاب کا انداز بدل گیا۔ یعنی ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کی بجائے ﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ ﴾ آیا' جبکہ اس سے پہلے اس سورہ میں پانچ مرتبہ خطاب کے لئے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ آئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں خطاب صرف اہل ایمان سے تھا۔ یہاں جو خطاب کے الفاظ بدل گئے ہیں تو وہ یوں نہیں بدلے' بلکہ اس لئے بدلے ہیں کہ اس آیت کا جو مضمون ہے وہ ایک آفاقی حقیقت (Universal Truth) اور تمام انسانوں کے مابین ایک قدر مشترک ہے' اس سے قطع نظر کہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے ہوں' گورے ہوں یا کالے ہوں' مسلمان ہوں یا یہودی' عیسائی' بدھ' سکھ اور پارسی ہوں' یا مشرک اور دہریئے ہوں۔ دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان دو چیزیں مشترک ہیں جنہیں اس آیۂ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ خطاب فرمایا گیا ﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ ﴾ یعنی "اے بنی نوع انسان ـــــ اے لوگو! اب وہ دو مشترک چیزیں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ پہلی چیز ہے ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ ﴾ "ہم نے تم سب کو پیدا کیا" ـــــ بنی نوع انسان کے دو یا چار خالق نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ گوروں کو پیدا کرنے والا کوئی گورا خدا ہو اور کالوں کا خالق کوئی کالا خدا ہو۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ایسا بھی نہیں کہ مشرق کے رہنے والوں کا خالق کوئی اور ہو اور مغرب والوں کو پیدا کرنے والا کوئی اور ہو۔ ﴿ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ﴾

مشرق و مغرب سب کا اللہ ہی مالک ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مسلمان کا خالق کوئی اور خدا ہو اور غیر مسلم کا خالق کوئی اور خدا ہو' بلکہ سب کا خالق صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ التغابن میں پڑھ آئے ہیں کہ: ﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا' پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی تم میں مومن ہے" ــــ یوں سمجھئے کہ یہاں وحدتِ خالق اور وحدتِ الٰہ بیان ہوئی۔ یہ وہ مشترک قدر ہے جو تمام نوعِ انسانی کو ایک رشتے میں منسلک کرتی ہے: ﴿ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ﴾ "ہم نے تم سب کو پیدا کیا" یہ پہلی قدرِ مشترک کا بیان ہوا۔

دوسری قدرِ مشترک کیا ہے! وہ ہے: ﴿ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ﴾ ــــ "ایک مرد اور ایک عورت سے۔" یہ وحدتِ آدم اور وحدتِ حوّا کا ذکر ہوا۔ تمہاری نسلیں کتنی ہی مختلف ہیں' تمہاری رنگتیں کتنی ہی جدا ہیں' تمہارے نقوش' تمہاری شکلیں' تمہاری شباہتیں کتنی ہی مختلف ہیں' تمہاری زبانیں کتنی ہی جدا ہیں' لیکن تم سب اصل میں ایک ہی نسل ہو' تم سب کے سب آدم اور حوّا کی اولاد ہو۔ پس یہ دو مشترک قدریں ہیں جو تمام نوعِ انسانی کو ایک وحدت کے رشتے میں پروئے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ دو چیزیں وہ ہیں جو تمام انسانوں سے متعلق ہیں' لہٰذا یہاں خطاب ﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے ہوا۔

قوموں اور قبیلوں کی تقسیم تعارف کے لئے ہے

اس کے بعد ایک بڑی اہم حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ قوموں اور قبیلوں کی جو تقسیم بالفعل موجود ہے وہ بھی ہماری پیدا کردہ ہے۔ یعنی یہ تقسیم بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر بڑا افراط و تفریط کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہم کبھی جوش میں آکر اس تقسیم و تفریق کی بالکل نفی کر دیتے ہیں' جبکہ قرآنِ مجید اس کو تسلیم کر رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قومی خصائص بھی ہوتے ہیں' قبیلوں کی بھی اپنی چند خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں واقعی اور فطری ہیں۔ زبانوں کا فرق ہے تو وہ حقیقی ہے۔ اسی طرح شکل و شباہت کا فرق ہے' چہروں کے نقوش جدا ہیں' رنگتوں میں فرق ہے۔ کوئی گورا ہے' کوئی کالا ہے' کوئی گندمی اور زرد رُو ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ چینی ہے یا حبشی ہے۔ وقِس علیٰ ھذا ــــ اس شخص سے کوئی بات نہیں ہوئی' اس سے آپ

نے کچھ پوچھا نہیں اور صرف ظاہری رنگ اور نقوش سے پہچانتے ہی آپ نے اس کا سارا جغرافیائی پس منظر بھی جان لیا اور اس کا پورا تاریخی پس منظر بھی آپ کو معلوم ہوگیا۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت تعارف اور پہچان کے لئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا : ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ "اور ہم نے بنائیں تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو" —— آپ خود سوچئے کہ اگر تمام انسان ایک رنگت کے ہوتے' تمام انسانوں کے نقوش ایک جیسے ہوتے۔ تو کتنی یکسانیت (monotony) ہوتی اور یہ کس قدر اکتاہٹ والی (boring) کیفیت اور کتنی بیزار کن صورت ہوتی۔ اس اختلاف اور فرق و تفاوت میں حسن ہے ؂

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

تو اس تقسیم و تفریق اور اختلاف میں جو بہتری کا پہلو ہے اسے سامنے رکھا جانا چاہئے۔ ورنہ سوچئے کہ کتنا پریشان کن معاملہ ہوتا اور کیسے پہچانتے کہ یہ کون ہے! بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جڑواں اور ہم شکل بھائیوں یا بہنوں کے معاملے میں بڑے مغالطے ہوتے ہیں اور بہت سے لطیفے وجود میں آتے ہیں۔ ان کے مابین تمیز و امتیاز بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فرق و تفاوت اور یہ اختلاف و امتیاز بالکل فطری (natural) ہے اور اس کا ایک مقصد ہے۔ اس کا ایک بڑا تمدنی فائدہ یہ ہے کہ ﴿ لِتَعَارَفُوْا ﴾ "تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔" اس کی نفی کرنا اسلام کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

عزّت و شرف کی واحد بنیاد : تقویٰ

رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں میں اونچ نیچ کا تصور قائم کرنا کہ فلاں نسل اعلیٰ ہے اور فلاں ادنیٰ' نوع انسانی کا فلاں طبقہ بڑھیا ہے اور فلاں گھٹیا —— یہ بالکل غلط نظریہ اور سراسر غلط تصور ہے۔ یہ انسانوں کے درمیان فساد' نفرت اور عداوت پیدا کرنے والا تصور و نظریہ ہے۔ یہ اونچ نیچ اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تقسیم اس فطری فرق و تفاوت کا بالکل غلط استعمال ہے' جسے قرآن حکیم صحیح تسلیم کر رہا ہے کہ : ﴿ وَّجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ "اور ہم نے تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے بنائے تاکہ تم باہم ایک دوسرے کو پہچانو۔" —— لیکن ایک بنائے شرف اور بنائے عزت بھی اللہ نے رکھی ہے : ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

عِنۡدَاللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ﴾ ـــــ جان لو کہ اللہ کے نزدیک تو تمہارے مابین اونچ نیچ کا معاملہ صرف ایک بنیاد پر ہے اور وہ بنیاد رنگ نہیں ہے' خون نہیں ہے' نسل نہیں ہے' وطن نہیں ہے' زبان نہیں ہے' شکل و صورت نہیں ہے' قومیت نہیں ہے' بلکہ وہ واحد بنیاد ہے تقویٰ' خدا ترسی' پرہیزگاری' نیکو کاری' اعلیٰ سیرت و کردار' اعلیٰ اخلاق اور احسن معاملات۔ اللہ کے نزدیک کوئی اونچا ہے تو ان اوصاف کی بنیاد پر اور کوئی نیچا ہے تو ان کے فقدان کی بناء پر۔ اونچ نیچ اور شرافت و رذالت کے لئے اس کے سوا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اور بنیاد نہیں ہے۔

اب اس آیت کے آخری حصّے پر نگاہوں کو مرتکز کیجئے۔ فرمایا جا رہا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے' باخبر ہے۔" ـــــ ان الفاظ کے ذریعہ سے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ تقویٰ تو اگرچہ دل میں ہوتا ہے اور کوئی انسان کسی دوسرے کے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتا لیکن اللہ تو باخبر ہے کہ کسی کے دل میں کتنا تقویٰ ہے۔ کوئی شخص بہروپیا ہو' متقیوں جیسی صورت و شکل بنا لے اور لباس پہن لے' نیز محض ریاء و سمعہ کے لئے ظاہری طور پر خوش خلقی اور حسنِ سیرت و کردار کا پیکر بنا پھرے اور اس طرح دنیا میں اپنا کوئی رعب گانٹھ بھی لے' لیکن وہ اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ علیم ہے' خبیر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے! کون واقعتاً خدا ترس ہے اور کون صرف دکھاوے کے لئے متقی بنا ہوا ہے! جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ((خَشۡيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالۡعَلَانِيَةِ)) یعنی اصل تقویٰ وہ ہے جو خلوت میں بھی ہو جلوت میں بھی ہو۔ اگر اس کے برعکس صورت یہ ہو کہ ؏ "چوں بخلوت می رود در کارِ دیگری کند" تو پھر یہ بہروپ ہے' تقویٰ نہیں ہے۔ پس اگر تمہارا اپنے رب کے ساتھ تعلق ہے تو اچھی طرح سمجھ لو کہ رب تو علیم ہے' خبیر ہے اور اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ عَلِيۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ہے اور ﴿ وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِيۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ يُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ ﴾ "اگر تم اپنے جی کی بات ظاہر کرو گے' یا اس کو چھپاؤ گے' اس کا وہ (اللہ) تم سے حساب لے لے گا۔"

زیرِ مطالعہ آیتِ مبارکہ کے دو رُخ

اب اس پوری آیت کے بارے میں یہ بات نوٹ کیجئے کہ اس کے دو رخ ہیں۔ ایک

رخ تو اس مضمون کی طرف ہے جو پچھلے سبق میں آچکا ہے کہ استہزاء اور تمسخر نہ کرو' کسی کا مذاق نہ اڑاؤ' فقرے چست نہ کرو' کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو' کسی کے برے نام نہ رکھو' کسی کی ٹوہ میں نہ لگو' خواہ مخواہ کسی کی بدگمانی سے بچو' کسی کی غیبت نہ کرو' بلکہ مطلوب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں باہمی اخوت ہو' محبت ہو' ہمدردی اور دمسازی ہو۔ تو اس کے لئے جو اصول اس آیت میں سامنے آیا وہ بڑی بنیادی اہمیت کا حامل ہے ـــــ دیکھئے! حقارت کیوں ہوتی ہے؟ اپنے آپ کو بڑھیا سمجھنے کی وجہ سے۔ کوئی اپنے آپ کو اعلیٰ نسل کا سمجھتا ہے تو وہ ہر دوسرے کو ادنیٰ نسل کا سمجھے گا۔ اگر کسی کو اپنے کسی خلقی وصف' جیسے رنگت یا اچھی شکل و صورت پر' کوئی غرور پیدا ہو رہا ہے تو وہ ان کی بناء پر دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور ان کا تمسخر و استہزا کرے گا' حالانکہ یہ تمام چیزیں اختیاری نہیں ہیں' یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں ـــــ لہٰذا اس آیت میں اس اصل مرض کی جڑ کاٹ دی گئی' غرور کی علت پر تیشہ چلا دیا گیا کہ میں بڑا ہوں' میں اعلیٰ ہوں' میں اونچا ہوں۔ یہی وہ پندار ہے جو دوسرے کو حقیر اور ادنیٰ سمجھنے اور اس کا استہزا و تمسخر کرنے پر ایک دنی الطبع شخص کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں یہ حقیقت بیان کر دی گئی کہ تمام انسان' انسان ہونے کے ناطے ایک ہیں۔ ان کا خالق بھی ایک اور ان کا جدِّ امجد بھی ایک ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں بایں الفاظ فرمایا تھا :

((لَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ فَضْلٌ وَلاَ لِاَسْوَد عَلٰى اَحْمَرَ فَضْلٌ وَلاَ لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلاَّ بِالتَّقْوٰى ـــــ كُلُّكُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ))

"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے' اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے تخلیق ہوئے تھے۔"

اس آیت مبارکہ کا دوسرا رخ اس اعتبار سے کہ آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر دنیا میں انسانوں کی تقسیم دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ ایک افقی (Horizontal) تقسیم ہے

اور ایک عمودی (Vertical) تقسیم ہے۔ افقی تقسیم یہ ہے کہ کوئی اونچا ہے' کوئی اس سے بھی اونچا ہے' کوئی اعلیٰ ہے' کوئی ادنیٰ ہے۔ یہ تو ہے درجوں کا تفاوت۔ اور عمودی تقسیم' جس سے معاشرے ایک دوسرے سے الگ تھلگ (isolate) ہوتے ہیں' وہ یہ ہے کہ یہ اور سوسائٹی ہے' وہ اور سوسائٹی۔ یہ جرمن سوسائٹی ہے' وہ انگلش سوسائٹی۔ یہ فلاں ریاست ہے اور وہ فلاں ریاست۔ یہ فلاں قومیت ہے' وہ فلاں قومیت ـــــ تو یہ دو تقسیمیں ہیں۔ دنیا میں عام طور پر پہلی تقسیم نسل' رنگ' خون اور وطن کی بنیاد پر ہے۔ اسلام نے اس کی بالکلیہ جڑ کاٹ دی کہ یہ اونچ نیچ اور اعلیٰ و ادنیٰ کی رنگ' نسل' خون اور وطن کی بنیاد پر تقسیم اپنی اصل کے اعتبار سے فساد ہے' فتنہ ہے' انسانیت کی توہین و تذلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و عزت اور اکرام و اعزاز کا معیار اعلیٰ سیرت و کردار' حسن اخلاق' حسن معاملات' نکو کاری' پرہیز گاری اور خدا ترسی یعنی تقویٰ ہے۔

اب ہے دوسری عمودی تقسیم ـــــ اور یہ تقسیم اسلام بھی کرتا ہے۔ ایک اسلامی معاشرہ کا بہر حال ایک غیر اسلامی معاشرے سے علیحدہ تشخص ہے۔ ایک اسلامی ریاست ممیز (demarcate) ہوتی ہے ایک غیر اسلامی ریاست سے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ عمودی تقسیم کس بنیاد پر ہے؟ تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس تقسیم کی بنیاد نہ نسل ہے' نہ رنگ ہے' نہ خون ہے' نہ قوم و وطن ہے اور نہ ہی زبان ہے۔ یہ بنیاد ہے نظریہ' عقیدہ' خیالات اور اصول ـــــ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے ہیں' یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ یہ بعث بعد الموت' حشر و نشر' جنت و دوزخ اور محاسبۂ اخروی کو ان تفاصیل کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں جن کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں' اور جن کی خبر دی ہے نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات و فرمودات گرامی میں ـــــ اسلام کی اصطلاح میں اس تسلیم و یقین کا نام ایمان ہے۔ حاصل گفتگو یہ نکلا کہ اسلام نے اس چیز کی کلی نفی کر دی جو افقی (Horizontal) اور عمودی (Vertical)' دونوں سطحوں پر نوعِ انسانی کو تقسیم کر رہی تھی۔ اسلام میں جو افقی تقسیم ہے وہ ہے تقویٰ یعنی نکو کاری' خدا ترسی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر ـــــ اور عمودی تقسیم یعنی اسلامی معاشرہ کا غیر اسلامی معاشرہ سے علیحدہ اور ممیز ہونا' وہ ہو گا نظریہ و عقیدہ یعنی ایمان کی بنیاد پر۔

پھر یہ بات پیش نظر رکھئے کہ کوئی انسان اپنی چمڑی کی رنگت بدل نہیں سکتا۔ وہ چاہے سو برس سے امریکہ میں رہ رہا ہو' وہ کالا ہی ہے۔ لہٰذا ایک ملک میں رہنے کے باوجود کالوں کا معاشرہ علیحدہ ہو گا' گوروں کا معاشرہ علیحدہ ہو گا۔ اگر کوئی شخص انگلش نسل سے ہے تو وہ جرمن نسل کا شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ حدود تو وہ ہیں جن کو انسان cross نہیں کر سکتا' ان کو پھلانگ نہیں سکتا۔ یہ رکاوٹیں (barriers) مستقل ہیں۔ جبکہ نظریئے اور خیالات کے barriers تو آناً فاناً ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کوئی شخص کلمہ شہادت ادا کرتا ہے تو فی الفور وہ مسلمان معاشرے کا باعزت فرد بن جاتا ہے۔ ایک شخص جو خواہ ہندو سوسائٹی میں شودر رہو' اچھوت ہو' جس کا ہندو معاشرے کے اندر سڑک کے درمیان سے گزرنا بھی ممنوع ہو' اور اس کے کانوں میں اگر وید کے اشلوک پڑ جائیں چاہے اس کی نادانستگی میں پڑے ہوں تو ہندو دھرم کی رو سے اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا لازم ہو جائے۔ لیکن آج اگر وہ کلمہ پڑھ لے تو وہ سید زادے کے ساتھ' شیخ الاسلام کے ساتھ' بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ بھی کاندھے سے کاندھا ملا کر مسجد میں نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے' اور یہ نو مسلم ہر مسلمان کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا سکتا ہے اور ایک ہی برتن سے پانی پی سکتا ہے' جبکہ پیدائشی شودر ہندو دھرم میں ہمیشہ ہمیش کے لئے اچھوت اور ناپاک ہی رہتا ہے چاہے وہ تعلیم میں' کردار میں' اخلاق میں پیدائشی برہمن سے کتنا ہی ترقی یافتہ ہو ـــــ ایمان کی تقسیم وہ نہیں ہے کہ جو مستقل بالذات ہو۔ یہ تقسیم تو وہ ہے کہ انسان جب چاہے اس رکاوٹ (barrier) کو عبور کرے اور اسلامی معاشرے میں شامل ہو جائے۔

ایک عالمی ریاست کا قیام : وقت کی اہم ضرورت

اس سلسلے میں ایک اہم بات میں یہ عرض کروں گا کہ اس آیت مبارکہ کی جدید دنیا کے اعتبار سے خاص اہمیت ہے۔ دیکھئے جدید دنیا میں بین الاقوامی اور عالمی سطح پر ایک عجیب dilemma' ایک عقدۂ لاینحل پیدا ہو گیا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے فاصلے قریباً ختم کر دیئے ہیں۔ اب پوری دنیا کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی زمانہ میں ایک شہر ہوتا تھا اور اس کے محلے ہوتے تھے۔ ذرائع ابلاغ و مواصلات اتنے ترقی کر گئے ہیں کہ فاصلے قریباً معدوم کے درجے میں آ گئے ہیں۔ کوئی واقعہ امریکہ میں ہو رہا ہو اسے آپ ٹیلی ویژن پر براہ راست یہاں بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ لیکن

ظاہراور خارج میں یہ فاصلے اتنے کم ہو جانے کے باوصف دلوں کے فاصلوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ دل پھٹے ہوئے ہیں۔ کوئی قدر مشترک موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ میں رہنے والا کالااور گورا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ان کے دلوں کو جوڑنے والا کوئی رشتہ موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید دور کی مادیت اور الحاد نے یہ دونوں بنیادیں منہدم کردی ہیں۔ نہ وحدتِ خالق و الٰہ باقی رہی' نہ وحدتِ آدم و حوا باقی رہی۔ کوئی تیسری چیز ہے ہی نہیں جو انہیں جوڑ سکے۔ ایک انگریز کو ایک جرمن کے ساتھ کون سی چیز جوڑے؟ ایک چینی کو روسی کے ساتھ کون سی چیز ہے جو جوڑ سکے؟ ایک جاپانی اور ایک ماریطانیہ کے رہنے والے کے مابین کون سی قدر مشترک ہے جو ان کو ایک رشتہ میں منسلک کر سکے؟ یہ ہے وہ dilemma جس سے آج کی دنیا دوچار ہے' جبکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ نوعِ انسانی ایک وحدت بنے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کہ نیشنل سٹیٹس ختم ہو جائیں اور ایک عالمی سٹیٹ قائم ہو۔ ورنہ نوعِ انسانی ہلاکت کے سخت خطرے سے دوچار ہے۔ اگر کہیں حادثاتی طور پر عالمی جنگ شروع ہو گئی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیا انجام ہو گا! شاید یہ نوعِ انسانی کی اجتماعی خودکشی بن جائے۔ لیکن اس خطرے کے ادراک و شعور اور اس کے تدارک کے احساس کے باوجود دلوں کو قریب لانے والی انسان کی اپنی سوچ کسی مضبوط' پائیدار اور ٹھوس بنیاد تلاش اور فراہم کرنے میں تاحال ناکام و قاصر رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد پہلا تجربہ لیگ آف نیشنز کا کیا گیا اور وہ ناکام ہوا۔ اس لئے کہ جب فکر میں کوئی بنیاد نہیں' دلوں میں جگہ نہیں تو محض ساتھ بیٹھنے اور اپنے اپنے مفادات کی راگنی راگنے اور ان کے تحفظات کیلئے جائز و ناجائز طور پر اس نام نہاد عالمی ادارے کو استعمال کرنے سے مسائل تو حل نہیں ہو جائیں گے' بلکہ وہ تو مزید الجھیں گے اور ان کے نتائج پہلے سے بھی زیادہ خطرناک نکلیں گے' جیسا کہ بیس برس بعد ہی دوسری عظیم ترین جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کی صورت میں نکلے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے!

لیگ آف نیشنز کی ناکامی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد تنظیم اقوام متحدہ (U N O) اور اس کی قائم کردہ سلامتی کونسل کا جو تجربہ ہوا ہے' وہ بھی لیگ آف نیشنز سے بہتر ہونے کے بجائے اس سے کہیں زیادہ ناکام ثابت ہوا ہے۔ اسرائیل اور چند دوسرے ممالک جس طریقے سے ان اداروں کے متفقہ فیصلوں کو بھی defy کرتے ہیں اور ٹھوکر مار دیتے ہیں' ان سے پوچھنے اور ان کے خلاف کوئی مؤثر اقدام کرنے کے لئے نہ سلامتی کونسل آمادہ ہے اور نہ UNO کا پورا

ادارہ ـــــ عالمی سطح پر جو ناکامیاں (failures) ہیں اور جو پیچیدگیاں ہیں' ان کا سبب یہی ہے کہ وہ فکر موجود نہیں ہے جو انسان کو انسان کے قریب لاسکے۔ نوعِ انسانی کی یہی ضرورت ہے جو یہ آیت مبارکہ پوری کر رہی ہے : ﴿یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍوَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ...﴾

اب میں کیا مرثیہ کہوں اور کیا ماتم کروں کہ جن کے پاس یہ دولت ہے' ان کے اپنے افلاس کا حال یہ ہے کہ وہ خود ہی منقسم ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

یوں تو سیّد بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ہم پر مغربی استعمار کا جو سب سے بڑا کاری وار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ علاقائی نیشنلزم کے ہلاکت خیز جراثیم انہوں نے ہمارے اندر بھی پیدا کر دیئے۔ مثال کے طور پر عربوں کے حالِ زار پر ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ ویسٹرن امپیریلزم نے عربوں میں علاقائی اور وطنی زہر کے جرثومے اس طور پر inject کئے ہیں کہ مصریوں کے لئے اب یہ بات بنائے فخر ہے کہ وہ مصری ہیں' شامیوں کے لئے بنائے فخریہ نعرہ بن گیا کہ وہ شامی ہیں۔ یہی حال عراق' سعودی عرب اور یمن کا ہے۔ وقِس علیٰ ھذا ـــــ ایک قوم' ایک زبان بولنے والے' اکثر و بیشتر نسل ایک' عظیم ترین اکثریت کا دین ایک' لیکن علاقائی نیشنلزم (Territorial Nationalism) کی جو تنگ گھاٹیاں بنا کر یورپی استعمار نے ان کو چھوڑا تھا تو وہ اس سے نکل نہیں پا رہے۔ اور یہی ہماری ذلت و رسوائی اور نکبت و مسکنت کا اصل سبب ہے۔ کاش! ہم مسلمان خود اپنے معالجہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس آیت مبارکہ کو اپنے لئے روشنی کا ایک مینار بنالیں۔ پہلے ہم خود وحدتِ الٰہ و وحدت آدم یعنی وحدت انسانی کی بنیاد پر ایک ملت بن جائیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

ہم اگر دنیا کو یہ نقشہ دکھلا دیں تو بقیہ نوعِ انسانی کو بھی رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

دعوتِ دین کے قرآنی مناہج

اُسوۂ ابراہیم علیہ السلام کی روشنی میں

عاصم نعیم امیراللہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ اور عظیم نبی تھے جن کا تذکرہ قرآن حکیم کی پچیس (۲۵) سورتوں میں مختلف مقامات پر ستر (۷۰) سے زائد مرتبہ آیا ہے اور انہیں اللہ رب العزت نے خلیل اللّٰہ (النساء : ۱۲۵)' اِمَامُ النَّاس (البقرۃ : ۱۲۴)' مُتَمِّمُ الابتلاء (البقرۃ : ۱۲۴)' یکے از اولی الایدی والابصار (ص : ۴۵)' لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (ھود : ۷۵)' مصطفی الاخیار (ص : ۴۷)' بری ءٌ من الشرک (الزخرف : ۲۶-۲۷)' صاحبُ قلبٍ سلیمٍ (الصافات : ۸۴)' صاحبُ لسانِ صدقٍ (مریم : ۵۰)' اُمَّۃً قَانِتًا (النحل : ۲۰)' صِدِّیقًا نَبِیًّا (مریم : ۴۱) اور حَنِیفًا مُّسلِمًا (آل عمران : ۶۷) جیسے القابات سے نوازا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے گی یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید میں دلائل و براہین کو جس حسن و خوبی سے پیش کیا' آپ نے مشرک قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے جن جن طریقوں کو آزمایا اور آپ کو اس دعوۃ وارشاد کے سلسلے میں جن مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا' ان سب کو بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

قرآن حکیم میں لگ بھگ نو مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور آپؑ کی پیغمبرانہ جِدّ و جُہد کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے مذہبی حالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت حضرت نوح علیہ السلام سے تقریباً نو سو (۹۰۰) سال بعد[2] ہوئی۔ آپ کے دور میں بُت پرستی اور مظاہر پرستی عام تھی' حتیٰ کہ لوگ بادشاہ کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اُر (UR) شہر میں ہوئی۔ اُر کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رَبّ البلد یا مہادیو سمجھا جاتا تھا۔ اُر (UR) کا رَبّ البلد "ننار" (چاند دیوتا) تھا۔ دوسرا بڑا شہر "لرسہ" تھا۔ اس کا رَبّ البلد "شماش" (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمان' ستاروں اور سیاروں میں سے تھے۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجالائے جاتے تھے۔ ہر شہر میں چھوٹے بڑے مندر تھے جہاں بُت رکھے ہوتے تھے۔ لوگ ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے اور ان سے اپنی مرادیں طلب کرتے۔ (۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بُتوں سے اظہارِ بیزاری

حضرت ابراہیم علیہ السلام قلب سلیم کے مالک تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رُشد و ہدایت عطا فرمائی تھی :

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۵۱)

"اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوش مندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے"۔

آپ یہ یقین رکھتے تھے کہ بُت نہ سن سکتے ہیں' نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا اُن سے کوئی واسطہ ہے' جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے :

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝ ﴾ (مریم : ۴۲)

سید ابوالحسن علی ندوی نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے :

وَكَانَ اِبْرَاهِيْمَ يَعْرِفُ اَنَّ الْاَصْنَامَ حِجَارَةٌ وَكَانَ يَعْرِفُ اَنَّ الْاَصْنَامَ لَا تَتَكَلَّمُ وَلَا تَسْمَعُ وَكَانَ يَعْرِفُ اَنَّ الْاَصْنَامَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ. (۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام صبح و شام اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ ان بے جان مورتیوں کو

میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک ' کان ' آنکھیں اور جسم تراش لیتا ہے اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے ' تو کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے ہمسر و مثیل کہے جا سکتے ہیں ؟[۵]

اپنے باپ کو دعوتِ توحید

حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خود ان کے اپنے گھر میں قائم ہے اور آزر کی بت پرستی اور بت سازی پوری قوم کے لئے مرجع و محور بنی ہوئی ہے۔ اس لئے فطرت کا تقاضا ہے کہ دعوتِ حق اور پیغامِ صداقت کے اداءِ فرض کی ابتدا گھر ہی سے ہونی چاہئے۔ اس لئے آپ نے سب سے پہلے اپنے قریب ترین فرد اپنے والد آزر کو ہی مخاطب فرمایا :

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْـًٔا۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۝ ﴾ (مریم : ۴۲-۴۴)

"جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا : اے ابا جان! آپ کیوں ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتے ہیں نہ کچھ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اے ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ اس لئے آپ میری پیروی کیجئے ' میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اے ابا جان! شیطان کی پوجا مت کیجئے ' بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔"

اندازِ دعوت اور اس کے خصائص

اس اندازِ دعوت میں تین اُمور واضح طور پر نظر آتے ہیں :

۱۔ پدرانہ شفقت کے جذبے کو اُبھارنا : "یٰاَبَتِ" کے طرزِ خطاب پر غور فرمایئے ' "اے میرے باپ یا اے میرے ابا جان"۔ اس اندازِ خطاب میں بیٹے کی سعادت مندی ' محبّت اور فروتنی پوری طرح نمایاں ہے۔ اگر آپؑ اپنے والد کو ' جو معبد کے پروہت بھی تھے "اے کاہن بزرگ! سنئے" کہتے تو اور ہی بات ہوتی ' مگر آپؑ نے فرمایا : میرے ابا

جان! اور سمجھ بوجھ کر قصداً انہوں نے یہ انداز اختیار فرمایا تھا کہ ان کی بات دل کی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور پدرانہ محبّت دل کے دروازے کھول دے۔ ایک داعی و مبلغ جسے "حکمت" کی نعمت ملی ہے کبھی اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ اگر وہ اس پہلو کو نظرانداز کرے گا تو خود اپنی ذات کو بھی نقصان پہنچائے گا اور دعوت کو بھی (٦)۔

۲۔ دلائل کا حسن انتخاب : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے گفتگو کے وقت منطقی گرفت سے کام نہیں لیا اور نہ ہی ایسی باتیں کہیں جنہیں صرف بڑے ذہین لوگ سمجھ سکیں، بلکہ روزمرہ کی عام فہم گفتگو کی کہ ابا جان! آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے نہ کسی کے کام آسکتی ہے؟ پھر فرمایا کہ مجھ پر وہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں۔ لہٰذا آپ میری پیروی کیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ آزر کے ذہن میں یہ خیال گزرا ہو کہ کل کا لڑکا مجھ جیسے تجربہ کار، دانشور کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ فرما کر اس کا بھی ازالہ کر دیا کہ اگرچہ آپ عمر میں بڑے ہیں، میرے بزرگ اور میرے لئے محترم ہیں لیکن توحید، رسالت، حشر و معاد کے پیچیدہ مسائل پر جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے اس سے آپ بہرہ ور نہیں۔ اِسی لئے تو آپ غلطاں و پیچاں ہیں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ خداداد علم کی روشنی سے آپ کے قلب و دماغ کے تاریک گوشوں کو منور کروں تاکہ آپ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے نہ پھریں۔ (٧)

۳۔ شیطان کی پیروی نہ کرنے کی دلیل : آپ نے فرمایا: ابا جان! شیطان کی پرستش نہ کیجئے۔ شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔ ان آیات میں سے ہر آیت اپنے اندر بڑی گہرائی اور گیرائی رکھتی ہے۔ معانی و حکمت کے خزانے ان کے اندر بند ہیں۔ آپؑ نے شیطان کا نام تو لیا مگر اس کی ماہیت پر گفتگو نہیں کی اور کوئی علمی باتیں نہیں کیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے والد گہری اور نازک قسم کی باتیں نہیں سمجھ سکیں گے۔

والد کا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ہر لفظ محبّت و احترام کی خوشبو سے مہک رہا ہے، لیکن آزر کا جواب درشتی اور بے مہری کا آئینہ دار ہے۔

﴿ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يَا اِبْرَاهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ ﴾ (مریم : ۴۶)

"کیاتو میرے خداؤں سے روگردانی کرنے والا ہے اے ابراہیم! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگ سار کردوں گا اور تو میری نظروں سے دور ہو جا۔"

آزر نے "یٰاَبَتِ" کے جواب میں "یٰبُنَیَّ" (اے میرے بیٹے) نہیں کہا بلکہ نام لیا۔ وہ بھی ابتدائے کلام میں نہیں بلکہ آخر کلام میں۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدلل دعوت کے جواب میں کوئی معقول بات پیش نہیں کی جارہی بلکہ دھمکیاں دی جارہی ہیں اور آنکھوں سے دور ہونے کا حکم دیا جارہا ہے۔(۸)

آزر کی سخت کلامی کا جواب نرم و شیریں لہجے میں

آزر کی اس سخت کلامی کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انداز حسب سابق نرم اور مؤدبانہ تھا۔ فرمایا :

﴿ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ ﴾

(مریم : ۴۷)

"(ابراہیم نے) کہا: سلام ہے آپ کو' (اگرچہ آپ نے میری نصیحت قبول نہیں کی لیکن) میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی ہدایت و مغفرت کے لئے عرض کرتا رہوں گا' بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔"

شیریں گفتاری ہر اچھے داعی کا خاصہ ہوتی ہے۔ جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دعوتِ توحید کے لئے فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا :

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ○ ﴾ (طٰهٰ : ۴۴)

"پس اُس کے ساتھ نرم انداز میں گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے"۔

قوم کو فطرتِ انسانی اور حقائق کی بنیاد پر دعوت

ایک انداز بیان وہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا تھا اور اب یہ دوسرا اندازِ بیان ہے جو آپؑ نے قوم سے گفتگو کے وقت اختیار فرمایا۔ قرآن حکیم کے مطابق آپ نے فرمایا :

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ○ ﴾ (الشعراء : ۷۰ تا ۷۳)

"جب اُس (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم بُتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ فراست اور حکیمانہ بالغ نظری کا اندازہ کیجئے' انہوں نے اپنی قوم کے معبودان باطل کی کوئی ہجو نہیں کی اور نہ ان کو برے القاب سے یاد کیا' مبادا ایسا کہنے سے ان کے مخالف بھڑ جاتے اور ان کی بات بھی نہ سنتے۔

علاوہ ازیں یہاں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نہ منطقی دلائل سے کام لیا نہ فلسفیانہ موشگافیاں بیان کیں بلکہ صرف یہ سوال کیا کہ آیا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ انسانی زندگی زیادہ تر انہی دو بنیادوں پر قائم ہے۔(۹)

مخاطب کی مدافعانہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا

ابراہیم علیہ السلام نے افہام و تفہیم کا بہت پیارا اسلوب اختیار فرمایا کہ انہی سے ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا۔ جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے :

﴿ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ○ ﴾ (الشعراء : ۷۴)

"انہوں نے جواب دیا : نہیں' بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے۔"

آپؑ نے محبت بھرے اسلوب میں انہیں سمجھایا کہ بے جا ضد اچھی نہیں۔ اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ تم دنیاوی معاملات میں تو عقل و فہم استعمال کرتے ہو لیکن زندگی کے اس بنیادی مسئلہ میں کیوں سوچ کا چراغ گل کر دیتے ہو۔ اب تم نے اپنی آنکھوں سے اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے جھوٹے معبودوں کی بے بسی کو

دیکھ لیا۔

﴿ قَالَ اَفَرَءَ یْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ ﴾

(الشعراء : ۷۵'۷۶)

"ابراہیم نے کہا : کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) دیکھا بھی ہے کہ تم کن چیزوں کی بندگی بجالاتے ہو؟ تم بھی اور تمہارے پچھلے باپ دادا بھی؟"

معبودانِ باطل کی بے بسی کے ساتھ معبودِ برحق کی صفات کا تذکرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُتوں کی سلبی صفات کا تذکرہ کیا لیکن مختصراً ــــــ اور جب بات اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کی آئی تو اس میں وسعت و فراخ دامنی سے کام لیا۔ آپ نے ان کو ربّ العالمین کی شان ربوبیت کے مختلف مظاہر کی طرف، جن میں سے کسی ایک پر بھی ان کے بُت قادر نہیں ہیں، توجہ مبذول کرائی۔

﴿ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ ﴾

(الشعراء : ۷۷ تا ۸۲)

"وہ (بُت) میرے دشمن ہیں، لیکن خدائے ربّ العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔ اور وہ جو مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا"۔

تبلیغ حق کی ایک اور صورت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اب مجھے رشد و ہدایت کا ایسا پہلو اختیار کرنا چاہئے جس سے عام لوگوں کو بھی مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے دیوتا صرف لکڑی اور پتھروں کی مورتیاں ہیں اور یہ کسی کی بات نہیں سنتے۔ حسن اتفاق سے قوم کا مذہبی میلہ آگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شرکت کی دعوت دی گئی تو آپ نے فرمایا ﴿اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم توہم پرست بھی تھی اس لئے کہنے لگے

کہ کسی ستارے کا اثر ہے۔

ان کے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ بہترین وقت ہے کہ اپنے ارادے کی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ بُت کدے گئے۔ بُتوں کے سامنے انواع واقسام کے کھانے رکھے تھے۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم انہیں کھاتے کیوں نہیں ہو؟ اور تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئی ہیں؟ پھر ان پر کلہاڑے کے پے در پے وار کرنے لگے۔ قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ○ مَالَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ○ ﴾ (الصافات: ۹۱ تا ۹۳)

جب لوگ مذہبی میلے سے واپس آئے اور اظہار تشکر کے لئے بت کدے گئے تو وہاں پر اور ہی منظر پایا۔ کسی بت کا ہاتھ نہیں تھا' کسی کا پاؤں نہ تھا' کسی کا سر غائب اور کسی کی ناک ندارد۔ ایک دوسرے سے پریشانی کے عالم میں کہنے لگے ہمارے معبودوں کا یہ حشر کس نے کیا ہے۔ یقیناً یہ کوئی ظالم شخص ہی ہے:

﴿ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ ﴾ (الانبیاء: ۵۹)

بُتوں کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کا رویہ ہر خاص و عام کو معلوم تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابراہیم کے سوا یہ حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔

﴿ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ○ ﴾ (الانبیاء: ۶۰)

"ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے۔"

قوم کے غلط عقائد پر آپؑ کا بھرپور وار

وہ منہ لٹکائے آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

﴿ ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ○ ﴾ (الانبیاء: ۶۲)

"کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟"

آپ نے اسی مقصد کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ فرمایا:

﴿ ... بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ○ ﴾ (الانبیاء: ۶۳)

"بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی' انہی سے پوچھ لو' اگر ان میں

بولنے کی سکت ہے تو؟"

اس پر وہ نہایت شرمساری سے کہنے لگے کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ سنتے نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل کامیاب ہوئی' فرمایا :

﴿ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُکُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یَضُرُّکُمۡ ○ اُفٍّ لَّکُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۶۶' ۶۷)

"پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟"

سورۂ صافات میں آپ کے یہ الفاظ درج ہیں :

﴿ قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ○ ﴾

(الصافات : ۹۵'۹۶)

"ابراہیمؑ نے کہا : کیا تم خود تراشیدہ (بُتوں) کی پوجا کرتے ہو جبکہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور نصیحت کا اثر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدے سے تائب ہو کر ملت حنیفی کو اختیار کر لیتی مگر اس کے برعکس ان سب نے ابراہیم علیہ السلام کی عداوت و دشمنی کا نعرہ بلند کر دیا۔ تجویز ہوئی کہ آگ جلاؤ' جب وہ خوب بھڑک اٹھے تو ابراہیم کو اس میں پھینک دو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حسنِ تدبیر سے ان کے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ (۱۰)

مظاہر فطرت کی عبودیت کا بطلان

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم بُت پرستی کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی کے شرک میں بھی مبتلا تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اجرامِ فلکی بھی رزق' نفع' ضرر' قحط سالی اور بارش وغیرہ کا سبب ہوتے ہیں' اس وجہ سے ان کی خوشنودی ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہر فطرت کی معبودیت کو بھی دلائل و براہین قاطعہ سے رد کیا۔ اس ضمن میں آپ کے خوبصورت دلائل کا تذکرہ سورۂ انعام کی آیات ۷۶ تا ۸۰ میں موجود ہے۔

قوم کا جھگڑا اور ابراہیمی حُجّت

قوم آپؑ سے جھگڑنے لگی کہ سورج' چاند' تارے خدا نہیں تو پھر کون خدا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے خداوندِ برحق کی صفات بتائیں تو وہ آپ کے سامنے لاجواب ہو گئے۔ لیکن وہ آپؑ سے جھگڑنے سے باز نہ آئے اور کہنے لگے : اے ابراہیم! تم ہمارے خداؤں کی ہتک سے باز آجاؤ ورنہ ان کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر تمہیں رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ آپؑ نے فرمایا : مجھے ایسی دھمکیاں کیوں دیتے ہو؟ اپنے خداؤں سے کہہ دو کہ میرا جو بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں! مجھے ان سے ذرہ برابر اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر میرا رب مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کر دے تو مجھے مجالِ دم زدن نہیں۔ اس مکالمے کا تذکرہ سورۂ انعام (آیات ۸۱' ۸۲) میں موجود ہے۔

بادشاہ کو دعوتِ توحید

اس زمانے میں عراق کے بادشاہ "نمرود" کا لقب اختیار کرتے تھے۔ اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ خود ان کے رب اور مالک کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح ان کو معبود مانتی تھی۔ نمرود کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے آپ کی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں کو روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلایا اور قرآن حکیم کے مطابق ان کے مابین درج ذیل گفتگو ہوئی۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ ﴾ (البقرہ : ۲۴۸)

"کیا آپ نے اُس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا' اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا : زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے

کہا کہ اچھا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' تُو اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ
سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا۔"

آگ کا گلزار بننا

دعوتِ توحید کی پاداش میں نمرود نے اور آپ کی مشرک قوم نے آپ کو آگ کے بہت بڑے الاؤ میں ڈال دیا لیکن قادر مطلق اللہ نے اپنے عبد موحد پر آنچ تک نہ آنے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بنادیا۔

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۶۹)

"ہم نے کہا : اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم علیہ السلام پر۔"

دعوتِ توحید میں استقامت

ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے اپنے آپ کو اندھی تقلید کی آہنی زنجیروں میں یوں جکڑ دیا تھا کہ انہوں نے عقل و دانش کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا' مگر آپ آخر دم تک کہتے رہے :

﴿ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ ﴾

(الزخرف : ۲۶'۲۷)

"میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں' بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا' بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا۔"

اپنی اولاد کو وصیّت

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نہ صرف خود عقیدۂ توحید پر ایمان لائے' بلکہ اپنی آنے والی نسل کو بھی تاکید کی کہ خبردار! اس راہ حق سے بھٹک نہ جانا۔ اپنا رشتۂ عبودیت اپنے رب کریم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پختہ اور مستحکم رکھنا۔

﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف : ۲۸)

"اور آپ نے اسی کلمۂ توحید کو (اپنی اولاد میں) پیچھے چھوڑا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ○ ﴾ (البقرۃ : ۱۳۲)

"اور ابراہیمؑ نے اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے اسی دین کو پسند کر لیا ہے' سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن کا خراج تحسین

اللہ رب العزّت نے اپنے محبوب بندے کی تعریف قرآن میں اس طرح فرمائی :

﴿ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ○ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰٮهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ○ وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ○ ﴾

(النحل : ۱۲۰تا۱۲۲)

"بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھا' اللہ تعالیٰ کا مطیع تھا' یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ (بالکل) مشرکوں میں سے نہ تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی (پیہم نعمتوں) کے لئے (ہر لحہ) اس کا شکر گزار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔ اور ہم نے اسے دنیا میں بھی ہر طرح کی بھلائی مرحمت فرمائی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہو گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی داعیانہ اور مجاہدانہ کردار ہے جس کی وجہ سے آپ زندہ و تابندہ ہیں اور دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت' عیسائیت اور اسلام آج بھی ان کو اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے اسوۂ حسنہ کو امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ قرار دیا ہے۔

حواشی

۱) وہ نو مقامات درج ذیل ہیں : (i) الانعام : ۷۶ تا ۸۴' (ii) مریم : ۴۱ تا ۴۸' (iii) الانبیاء : ۵۰ تا ۷۰' (iv) الشعراء : ۶۹ تا ۸۴' (v) العنکبوت : ۱۶ تا ۱۸' (vi) العنکبوت : ۲۴۔۲۵' (vii) الصافات : ۸۵' (viii) الصافات ۸۸ تا ۹۹' (ix) الزخرف : ۲۶ تا ۲۸۔

۲) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی' قصص القرآن' مکتبہ مدنیہ' لاہور' جلد اول' ص ۱۵۵

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

کتابت مصاحف اور عِلمِ ضبط (۷)

علاماتِ ضبط کی ابتداء' ان کے متنوع ارتقاءاور ان کے زمانی اور مکانی ممیّزات کا اجمالی جائزہ

(آخری قسط)

——— پروفیسر حافظ احمد یار ———

۴۸۔ ہمزۃ القطع کو ہمزۃ الوصل سے ممتاز کرنے کے لئے شروع کے نظام نقط میں اس کیلئے زرد رنگ (اور بعض علاقوں میں سرخ رنگ) کا گول نقطہ ڈالا جاتا تھا۔(۱۳۶)
الخلیل کے طریقے میں اس کے لئے "ء" کی علامت تجویز کی گئی تھی اور یہ علامت اب تک مستعمل ہے۔ البتہ بعض افریقی ممالک میں اسے "ع" یا "ے" کی شکل میں اور چین میں عموماً "ﺀ" یا "ء" کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ بعض افریقی ملکوں (مثلاً نائیجریا میں یا سوڈان کے قلمی مصاحف میں) اس کے لئے زرد گول نقطہ اب تک زیر استعمال ہے۔

☆ ہمزہ کے طریق نطق کے اختلافات اور مختلف قراءات میں اس کے طریق ادا کے تنوع کی وجہ سے ہمزۂ قطع کی مختلف صورتوں کے لئے کچھ مختلف علامات بھی مقرر کی گئیں۔ اور اس کا موقع ضبط تو کتب علم الضبط کی سب سے طویل بحث ہے۔(۱۳۷)

☆ کسی کلمہ کی ابتداء میں آنے کی صورت میں ہمزہ کی اس علامت قطع (ء) کا استعمال اہل مشرق کے ہاں متروک ہوگیا ہے۔ اس صورت میں وہ صرف الف پر (اور ابتداء میں ہمزہ ہمیشہ بصورت الف ہی لکھا جاتا ہے) متعلقہ حرکت دے دیتے ہیں مثلاً أَ إِ أُ کی بجائے اَ اِ اُ ہی لکھتے ہیں۔ اور ابتداء کی صورت میں وہ ہمزۃ الوصل پر بھی اسی طرح حرکات لکھتے ہیں۔ اس فرق کو ذیل کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(ا) <u>ہمزۃ القطع کی صورت میں :</u>

عرب ممالک میں أَنْذَرَ' أُنْذِرَ اور إِنْذَار لکھیں گے

مگر اہل مشرق اسے اَنْذَرَ 'اُنْذِر اور اِنْذار لکھیں گے۔

(۲) ہمزۃ الوصل کی صورت میں :

عرب ممالک میں ٱللّٰهُ 'ٱدْعُ اور ٱهْدِنا لکھا جاتا ہے۔

مگر اہل مشرق اسے اللّٰهُ 'اُدْعُ اور اِهْدِنا لکھتے ہیں۔ البتہ سوڈان میں اسے اللَّهُ' اُدْعُ اور اِهْدِنَا لکھتے ہیں۔

اور لیبیا میں اسے ٱللّه 'اُدْعُ اور اِهْدنا لکھتے ہیں۔

نوٹ کیجئے کہ عرب اور عام افریقی ممالک کی علامت الصلۃ (ص) آپ کو الف الوصل کی ملفوظ حرکت کے تعین میں قطعاً کوئی مدد نہیں دیتی یہ صرف شفوی تعلیم سے معلوم ہو گی۔ ہم نے اوپر الف الوصل کی حرکات ثلاثہ (ـَ ـِ ـُ) والی مثالیں دی ہیں۔ لیبیا اور سوڈان کا طریقہ ہمارے (برصغیر کے) طریقے سے مختلف ہے مگر دوسرے عرب اور افریقی ممالک کے طریق ضبط کی نسبت زیادہ معقول ہے۔

☆ ہمزہ ہی کے ضمن میں علماءِ ضبط نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ "لا" میں کون سا سرا لام اور کون سا الف یا ہمزہ ہے اور ہر ایک نظریہ کے حق میں دلائل دیئے گئے ہیں اور یہ بحث خاصی دلچسپ بھی ہے۔[۱۳۸] تاہم اب اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس وقت عملاً صورت حال یہ ہے کہ تمام افریقی ممالک (ماسوائے مصر) تو "لا" میں پہلے سرے کو ہی الف یا ہمزہ اور دوسرے سرے کو لام سمجھتے ہیں۔ جبکہ مصر اور تمام مشرقی ممالک میں اس کے برعکس عمل ہے۔ اس کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہو گا۔

افریقی ممالک میں وَٱلْأَرض 'فِي ٱلْآخرة اور لَآية لکھیں گے۔

مشرقی ملکوں میں وَالْاَرض 'فِي الْاٰخرة اور لَاٰية لکھیں گے۔

اور مصر میں ان کو وَٱلْأَرْض' فِى ٱلْأَخرة اور لَأَية لکھیں گے۔

افریقی ملکوں کی علامۃ صلہ (.) اور مصری علامت صلہ (ص) کا فرق اور مشرقی ملکوں میں "عدم علامت صلہ" اور "عدم علامت قطع" قابل غور ہے۔ کیا ایک نظامِ ضبط کے ساتھ پڑھنے کا عادی قرآن خوان دوسرے نظام کے مطابق لکھے گئے مصاحف میں سے قراءت پر قادر ہو سکتا ہے؟

ابدالِ حروف والی بحث ضبط سے زیادہ رسم سے تعلق رکھتی ہے اور اس سے تعلیلاتِ صرفی والی تبدیلیاں مراد نہیں ہوتیں بلکہ چار خاص مقامات پر "ص" کے تلفظ کے "س" میں بدلنے یا نہ بدلنے کی ترجیح کی بنا پر حرف "س" کو متعلقہ کلمہ میں "ص" کے اوپر یا نیچے لکھتے ہیں۔ (۱۳۹) اس کی تفصیل یوں ہے (۱) **یبۜصط** (۲ : ۲۴۵)، (۲) **بۜصطة** (۷ : ۶۹) (۳) **المصۜیطرون** (۵۲ : ۳۷) (۴) **بمصۜیطر** (۸۸ : ۲۲) اور قراء کے ہاں ان کے پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ (۱۴۰)

☆ مصاحف مطبوعہ لیبیا و تیونس (بروایۃ قالون) اور مصاحف مطبوعہ تیونس و مراکش و نائیجریا (بروایۃ ورش) میں ان چار مقامات پر صرف "ص" کے ساتھ کتابت کی گئی ہے اور کہیں اوپر یا نیچے "س یا ـسـ) نہیں لکھا گیا۔ جو شاید روایت قراءات کی خصوصیت ہے۔

☆ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دو اساتذہ نے پاکستانی مصاحف کی اغلاط پر جو رپورٹ تیار کی ہے اس میں ان کلماتِ اربعہ میں سے مؤخرالذکر دو کلمات میں "س" کی وضع (پوزیشن) کی غلطی کو ضبط کی اغلاط میں شمار کیا گیا ہے۔ (۱۴۱) اس لئے ہم نے بھی ان کا ذکر اسی ضمن میں کر دیا ہے۔

۴۹۔ مخصوص نطقی کیفیات :

مذکورہ بالا عام علاماتِ ضبط [جن کی اجمالی فہرست پیراگراف نمبر ۳۵ میں اور جن کی تفصیل پیرگراف نمبر ۳۶ تا ۴۸ میں گزری ہے] کے علاوہ کچھ ایسی علامات بھی ہیں جن کا تعلق مخصوص نطقی کیفیات یعنی قراءات کے کسی مخصوص طریق ادا سے ہے مثلاً امالہ، اشمام، رَوم، اختلاس اور تفخیم یا ترقیق، قلقلہ وغیرہ۔ یوں تو ان کو حرکات ثلاثہ کے بعد بیان کرنا چاہئے اور کتب ضبط میں عموماً یہی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی ہے —— کیونکہ دراصل تو یہ کسی حرکت کا ہی مخصوص صوتی یا نطقی طریق اداء ہوتا ہے۔ مگر ہم اس کی مخصوص نوعیت کی بنا پر آخر پر لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ سب کیفیات اول تو تمام قراءات میں نہیں پائی جاتیں، دوسرے ان کا استعمال بہت کم، بعض معدود کلمات تک محدود ہے اور تیسرے اس لئے بھی کہ یہ کیفیات ایک طرح سے تجوید کے تکمیلی مراحل سے متعلق ہیں۔ اس لئے بھی ان کا بیان آخر پر ہونا چاہئے۔ لہٰذا ہم ذیل میں اختصار کے

ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں :۔

☆ امالہ اور اشمام کا چونکہ روایت حفص میں ایک ایک مقام ہے [ھود : ۴۱ اور یوسف : ۱۱] اس لئے بعض مصاحف میں تو اس کے لئے کوئی علامت مقرر کرنے کی بجائے متعلقہ لفظ کے نیچے باریک قلم سے "امالہ" یا "اشمام" لکھ دیتے ہیں۔ (۱۴۲) بعض مصاحف میں اس کے لئے نہ کوئی علامت بناتے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اشارہ کرتے ہیں' مثلاً ایرانی مصاحف اور عام پاکستانی مصاحف۔ البتہ ایسے پاکستانی مصاحف میں سورۂ ہود (آیت ۴۱) کے سامنے حاشیے پر یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ حفص نے یہاں "ر" کو امالہ سے پڑھا ہے۔ اشمام کے لئے عام پاکستانی مصاحف میں بھی کوئی علامت یا اشارہ موجود نہیں۔ یہ علامت کی بجائے بصورت لفظ "اشمام" یا "امالہ" رہنمائی اصطلاح سے واقف آدمی کے لئے تو مفید ہو سکتی ہے مگر عام (صرف ناظرہ خواں) قاری کے لئے بے فائدہ ہے۔

بعض مصاحف میں اس ایک ایک مقام کے لئے الگ الگ علامت وضع کی گئی ہے اور "ضميمة التعريف" یا مقدمہ میں اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ (۱۴۳)

☆ ورش' قالون اور الدوری کی روایات میں امالہ کبریٰ بھی حفص والے امالہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر آیا ہے' مثلاً قالون کے ہاں "هار" التوبة ۱۰۹ میں اور ورش کے ہاں لفظ "طه" میں۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں امالہ صغریٰ (تقلیل) زیادہ ہے۔ (۱۴۴) الدوری کے ہاں بھی دونوں قسم کے "امالے" موجود ہیں۔ اسی لئے سوڈانی مصحف میں ہر دو امالہ کے لئے الگ الگ علامات اختیار کی گئی ہیں۔ (۱۴۵)

☆ رَوم ایک خاص نطقی کیفیت ہے جو ماہر اساتذہ سے زبانی سیکھی جا سکتی ہے۔ (۱۴۶) کہا جاتا ہے کہ الخلیل نے اس کے لئے بھی کوئی علامت تجویز کی تھی (۱۴۷) مگر اب مصاحف میں اس کیلئے کوئی علامت نہیں لگائی جاتی کیونکہ اس کی تعلیم شفوی ہی ہو سکتی ہے۔

☆ اختلاس کا استعمال بھی چند ایک قراءات میں اور چند کلمات میں ہے مثلاً قالون اور الدوری کے ہاں۔ اس کے لئے بطور علامت متعلقہ حرف کے اوپر یا نیچے ایک گول نقطہ بغیر حرکت کے لکھ دیتے ہیں۔ ایسا ہی گول نقطہ بعض دفعہ امالہ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (۱۴۸)

☆ بعض خاص حرفوں مثلاً "ل" اور "ر" کی تفخیم یا ترقیق کے قواعد کتب تجوید میں بیان کئے جاتے ہیں۔ خصوصاً لام جلالت (اللّٰه) کے ضمن میں۔ مگر کسی کتابِ ضبط وغیرہ میں اس کے لئے کوئی علامت ضبط کبھی تجویز نہیں کی گئی۔ یہ پاکستانی "تجویدی قرآن مجید" کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں لامِ جلالت کی تفخیم اور ترقیق کے لئے مخصوص علامت ضبط اور حرف "ر" کی تفخیم یا ترقیق کے لئے " "یا"ر" کا مخصوص طریق کتابت اختیار کیا گیا ہے۔ (۱۴۹)

☆ حروف "قطب جد" جب ساکن ہوتے ہیں تو ان کا تلفظ مخرج میں ایک خاص دباؤ کے ساتھ نکلتا ہے۔ اس نطقی کیفیت کو قلقلہ کہتے ہیں۔ امالہ کی طرح قلقلہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ قلقلہ صغریٰ اور قلقلہ کبریٰ۔ (۱۵۰) تاہم نہ تو کتب ضبط میں اس کے لئے کوئی علامت مذکور ہوئی ہے اور نہ مصاحف کی کتابت میں کہیں کوئی مستعمل علامت نظر سے گزری ہے۔ اس طرح یہ بھی پاکستانی "تجویدی قرآن" کی ہی خصوصیت ہے کہ اس میں حروف قلقلہ (قطب جد) کے لئے ایک مخصوص علامت سکون "٨" اختیار کی گئی ہے۔ (۱۵۱)

☆ تعریہ یعنی حروف کو علامت ضبط سے خالی رکھنے کے بارے میں بھی بلاد مشرق اور بلاد عرب اور افریقہ میں مختلف قواعد رائج ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ذکر ادغام اور حروفِ زوائد کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اعادہ غیر ضروری ہے۔

۵۰۔ کتابت مصاحف میں علاماتِ ضبط کے اتنے متنوع اور مفصل استعمال کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ محض علاماتِ ضبط کی بناء پر ـــــ استاد کی شفوی تعلیم اور تلقی و سماع کے بغیر ـــــ صحیح نطق اور درست قراءت اور ٹھیک "اداء" کا سیکھنا ممکن نہیں۔ علامات ضبط تعلیم قراءت میں مدد و معاون ہیں مگر شفوی تعلیم سے مستغنی نہیں اور نہ ہی استاد کا بدل ہیں۔

☆ کتابت مصاحف میں علاماتِ ضبط کے اس کثیر التنوع استعمال سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم الضبط کو علم الرسم کی طرح کوئی ایسی تقدیس حاصل نہیں ہے کہ کسی ایک زمانے یا کسی ایک علاقے میں رائج طریق ضبط کی پابندی کو واجب قرار دیا جائے۔ (۱۵۲)

☆ اول تو روایاتِ قراءات کے اختلاف یا اداء کے اختلاف کی بناء پر علامت ضبط کا اختلاف لازمی ہے۔ گویا اختلافِ تنوع ہے اختلافِ تضاد نہیں ہے۔ [۱۵۴] اس وقت دنیا بھر میں چار روایاتِ قراءات کے ساتھ مطبوعہ مصاحف دستیاب ہیں' یعنی حفص عن عاصم' ورش عن نافع' قالون عن نافع اور الدوری عن ابی عمرو۔ جس ملک اور جس علاقے میں جو قراءت متداول ہے وہاں عام آدمی کے لئے دوسری قراءت کے ساتھ مطبوعہ مصحف سے درست تلاوت ہرگز ممکن نہیں ہوگی۔ حکومت سوڈان کے بروایۃ الدوری مصحف شائع کرنے کی وجہ یہی ہوئی کہ سوڈان میں صدیوں سے قراءت تو الدوری کی رائج تھی جس کے لئے قلمی مصاحف کا خریدنا بوجہ گرانیِ قیمت دشوار تھا' مصر سے درآمدہ روایۃ حفص کے مطبوعہ مصاحف کم ہدیہ پر ملتے تھے۔ اس سے اہل سوڈان کی قراءت نہ الدوری کی رہی اور نہ ہی حفص کی۔ علمائے سوڈان اور حکومت سوڈان کی اس سلسلے میں جملہ مساعی کی تفصیل وہاں کی وزارتِ اوقاف کے تعارفی کتابچہ "کتابة المصحف الشریف" میں دی گئی ہے۔

☆ ایک ہی قراءت کی صورت میں بھی علاماتِ ضبط مختلف استعمال کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہ زمانی اور مکانی اختلاف موجود ہے۔ مصر اور تمام ایشیائی ممالک میں روایت حفص عن عاصم ہی رائج ہے۔ مگر مصر' ترکی' ایران' برصغیر اور چین وغیرہ میں رائج علاماتِ ضبط میں بڑا تنوع ہے جس کی کچھ جھلک اسی مقالہ میں پیش کی گئی ہے۔ کم و بیش یہی حال ان افریقی ملکوں کے مصاحف کا ہے جہاں قراءتِ ورش متداول ہے۔

☆ اگر ایک ہی روایت قراءت (مثلاً حفص) والے تمام اسلامی ممالک مل کر اور متفقہ طور پر اپنے ہاں رائج قراءت کے لئے یکساں علاماتِ ضبط مقرر کرکے اس کو نافذ کرنے کا منصوبہ بنا سکیں تو یہ یقیناً ایک مستحسن اقدام ہوگا۔ مگر علاماتِ ضبط کے اختیار اور انتخاب میں کسی علاقائی ترجیح کی بجائے افادیت' جامعیت اور اختصار کو سامنے رکھا جائے۔

☆ یہ کام کرنے کی بجائے تمام پڑھنے والوں (خصوصاً ناظرہ خوانوں) کے لئے کسی خاص علاقے کی علاماتِ ضبط پر مبنی مصحف سے ہی قراءت لازم قرار دینا ہرگز جائز نہیں۔ اس بناء پر سعودی حکومت کا یہ اقدام کہ حرمین میں آنے والے تمام ممالک کے لوگ صرف

سعودی حکومت یا بلاد عرب کے مصاحف سے ہی تلاوت کریں' ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سعودی حکومت نے اول تو مشرقی ممالک سے مصاحف کی درآمد اپنے ہاں بند کر دی ہے۔ حجاج سے معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دو برس سے تو کسی حاجی کو حرم کے اندر اپنا ذاتی مصحف لے جانے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی۔ برصغیر سے مصاحف کی درآمد پر اگر تو صرف رسم عثمانی کی خلاف ورزی کی وجہ سے پابندی لگتی تو یہ ایک معقول وجہ ہے' مگر سعودی عرب کے جن نام نہاد علماء نے اپنی حکومت کو یہ غیر دانشمندانہ مشورہ دیا ہے' انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ رسم عثمانی اور "صرف اپنے ہاں رائج علاماتِ ضبط کو" یکساں تقدیس دینا جہالت اور تعصب کی علامت ہے' علم اور دانشمندی کی دلیل ہرگز نہیں ہے[۱۵۵] کیونکہ اس طرح عملاً کم علم ناظرہ خوانوں کو غلط قراءت پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ علم الرسم کی اہمیت بلکہ تقدیس کا اپنا مقام اور درجہ ہے اور اس کی طرف مقالہ نگار شروع ہی میں (پیراگراف نمبر۲) توجہ دلا چکا ہے۔ شاید آئندہ کسی فرصت میں اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر بھی بحث کرنے کا موقع پیدا ہو جائے۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

حواشی

۱۳۶) المحکم ص ۸۷۔

۱۳۷) الطراز میں یہ بحث ورق ۷۳ تا ورق ۷۱ پر پھیلی ہوئی ہے اور المحکم میں ص ۹۰ سے ص ۱۷۳ تک ہمزۃ کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ الطراز میں ہمزہ کے لئے کبھی سرخ نقطہ' کبھی زرد نقطہ اور کبھی " ء " کا استعمال تجویز کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک کا اپنا خاص موقع استعمال ہے۔ طباعت کے دور میں چونکہ ہمزہ قطع کے لئے صرف "ء" کا استعمال ہوتا ہے اس لئے اب اس کے احکام نسبتاً مختصر ہو گئے ہیں۔ اب اختلاف اور تفصیل صرف موقع ہمزہ میں ہوتی ہے نہ کہ صورت ہمزہ میں۔

۱۳۸) الطراز ورق ۱۲۰/الف بعد' المحکم ص ۱۹۷ بعد اور غانم ص ۵۸۱

۱۳۹) حق التلاوۃ ص ۱۰۵ ۱۴۰) تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۲۴

۱۴۱) "رپورٹ" مذکور ص ۱۰ (ضبط : ۳)

۱۴۲) دیکھئے مصحف الحلبی اور ترکی مصاحف بقلم حافظ عثمان و حامد ایتاج متعلقہ آیات۔

۱۴۳) دیکھئے تجویدی قرآن (مقدمہ) ص ۲۴' مصری مصحف (ضمیمہ) ص م' مصحف الجماہیریہ (ضمیمہ) صفحہ م۔و۔ن مصحف المدینۃ (ضمیمہ) ص۔و۔ ان سب میں امالہ و اشمام کیلئے متشابہ اور مختلف

علامات تجویز کی گئی ہیں۔ نیز اشمام (کلمات مشمہ) کی مزید وضاحت کیلئے دیکھئے حق التلاوۃ ص ۳۴۴

۱۴۴) حق التلاوۃ ص ۲۲۳ پر امالات کی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔

۱۴۵) "کتابۃ المصحف" ص ۱۹ و ۲۰ نیز دیکھئے سوڈانی مصحف (بروایۃ الدوری) کا ضمیمۃ التعریف ص ن اور س جہاں امالہ کبریٰ اور امالہ صغریٰ کی الگ الگ علامات معہ امثلہ مذکور ہیں۔

۱۴۶) حق التلاوۃ ص ۴۲ و ۴۳۔ ۱۴۷) دیکھئے اسی مقالہ کا پیراگراف ۲۱ اور حاشیہ ۵۰

۱۴۸) مصحف الجماھیریہ (التعریف) ص م اور سوڈانی مصحف (التعریف) ص س و ع۔

۱۴۹) وضاحت کے لئے دیکھئے تجویدی قرآن مجید کا مقدمہ ص ۱۸ و ص ۲۲ اور ۲۳۔

۱۵۰) حق التلاوۃ ص ۸۴ اور ۸۵ ۱۵۱) تجویدی قرآن مجید (مقدمہ) ص ۱۳

۱۵۲) دوبارہ نظر ڈال لیجئے مقالہ ہذا کے پیراگراف ۳ اور حاشیہ ۴ پر۔

۱۵۳) کتابۃ المصحف ص ۱۸ اور ص ۳۱۔ ۱۵۴) ایضاً ص ۴۴

۱۵۵) مقالہ ہذا کے حاشیہ ۱۴۱ (پیراگراف ۴۸) میں جس رپورٹ کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں پاکستانی مصاحف کی رسم عثمانی کی اغلاط والا بیشتر حصہ تو درست ہے اور حکومت پاکستان سے رسم عثمانی پر مبنی نسخۂ قرآن شائع کرنے کی درخواست مقالہ نگار بھی اپنے ایک مضمون (فکر و نظر جلد ۲۲ شمارہ ۴) کے ذریعے کر چکا ہے۔ مگر رپورٹ مذکور میں پاکستانی مصاحف کی علامات ضبط اور شمار آیات سے متعلق اغلاط کی نشان دہی بے جا تعصب بلکہ کم علمی کی بھی دلیل ہے۔ ضبط کے بارے میں وہ اپنے ہی ضبط کے بہترین یا درست ہونے کے تعصب میں مبتلا ہیں اور شمار آیات کے سلسلے میں یہ رپورٹ تیار کرنے والے حضرات برصغیر کی علامات آیات کے نظام کو جو یقیناً زیادہ عالمانہ ہے، سمجھ ہی نہیں سکے اور خوبی کو بھی عیب شمار کر بیٹھے ہیں۔

بقیہ : دعوتِ دین کے قرآنی مناہج

---

۳) ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، جلد اول، ص ۵۵۳، ۵۵۴

۴) سید ابو الحسن علی ندوی، قصص النبیین، مجلس نشریات اسلام کراچی، الجزء الاول، ص ۷

۵) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، مکتبہ مدنیہ، لاہور، جلد اول، ص ۱۶۹

۶) سید ابو الحسن علی ندوی، تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۲۹

۷) پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور، جلد سوم، ص ۸۴۔۸۵، و تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، ص ۲۹۔۳۰

۸) پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، جلد سوم، ص ۸۵

۹) سید ابو الحسن علی ندوی، تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، ص ۳۳

۱۰) پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، جلد سوم، ص ۱۷۵

دینِ ابراہیمؑ اور ریاستِ اسرائیل
قرآن مجید کی روشنی میں (۴)

تالیف : عمران این حسین ——— اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

بابِ چہارم

قرآن مجید' میثاق اور یہود

قرآن مجید کی روشنی میں ہم نے واضح کیا ہے کہ تورات کا اسمٰعیل علیہ السلام کے میثاق سے اخراج کا دعویٰ جھوٹ ہے۔ موجودہ تورات اصل تورات نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی' بلکہ یہ تحریف شدہ تورات ہے۔ اگرچہ قرآن مجید اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی متبرک سرزمین بنی اسرائیل کو عطا کی' لیکن ان کے اس دعوےٰ کی تصدیق نہیں کرتا کہ صرف وہی "چنے ہوئے لوگ" ہیں۔ یعنی قرآن اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کے میثاق سے اخراج کی تصدیق نہیں کرتا۔

آیئے اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں بنی اسرائیل کا یہ دعویٰ بھی جانچیں کہ اس متبرک سرزمین پر ان کا حق ہمیشہ کے لئے ہے۔ کیا بنی اسرائیل کے باقیات جو آج اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں' اب بھی اس زمرے میں شامل ہیں کہ وہ میثاق کے درجہ کے اہل ہیں؟ اور کیا اس لئے وہ اس متبرک سرزمین پر حق رکھنے کے بھی اہل ہیں؟

کیا یہود اب بھی ابراہیم علیہ السلام کے دین کو مانتے ہیں اور اس پر پورے ایمان سے عمل پیرا ہیں؟ کیا یہودیت' دین ابراہیمؑ کے مطابق ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور اگر یہود ابراہیم علیہ السلام کے دین پر عمل پیرا نہیں ہیں' تب وہ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ میثاق میں شامل لوگ نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں تحریر ہے کہ یہود' ابراہیم علیہ السلام کے دین پر عمل پیرا نہیں ہیں :

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ ﴾ (البقرة ۲ : ۱۳۵)

"اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم راہ راست پالو گے۔ کہہ دیجئے : ہرگز نہیں' بلکہ ہم نے راہ اختیار کی ہے ابراہیم (علیہ السلام) کی جو یک سو تھا اور نہ تھا وہ شرک کرنے والوں میں"۔

اب یہ اخلاق و کردار کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے :

﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ○ ﴾ (البقرة ۲ : ۱۲۴)

"میرا عہد ظالموں (چالبازوں) سے متعلق نہیں ہے (تمہاری نسل میں سے)"۔

کیا قرآن مجید میں یہودیوں کے بارے میں ظلم (چالبازی 'گناہ کبیرہ) کے متعلق کوئی بیان ہے؟ ایسا کوئی عمل جو ان کے میثاق سے اخراج کا باعث بنا ہو؟ یقیناً قرآن واضح طور پر اسے بیان کرتا ہے۔ اس میں بہت سے واقعات ایسے ہیں جو ان کے ظلم اور گناہِ عظیم سے متعلق ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اللہ تعالیٰ نے معاف بھی کر دیئے تھے 'لیکن پھر بھی بہت سے ایسے تھے جن کی وجہ سے اللہ ان سے اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے ان پر لعنت کی ہے۔

قرآن مجید اور یہود کے گناہِ عظیم

قرآن مجید شروع میں ہی ظلم کے چند واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہے جو بنی اسرائیل (یہودیوں) سے سرزد ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے۔ اس کے بعد کئی اور ظلم کے واقعات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل سے بالعموم اور یہودیوں سے بالخصوص سرزد ہوئے۔ جن کے بارے میں معافی کا ذکر تو در کنار' بلکہ اس کے برعکس یہود پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ہے۔

درج ذیل چند واقعات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا :

افتتاحی سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن مجید سورۃ البقرۃ سے شروع ہوتا ہے۔ اس سورۃ کا یہ نام (گائے) بنی اسرائیل کے ایک گناہِ عظیم سے موسوم ہے جسے سنہری بچھڑے کی عبادت کا نام دیا گیا ہے۔ پھر بیان ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا :

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ○

وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ۝ وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ۝ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۴۹-۵۲)

"اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی۔ انہوں نے تم کو سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا' وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس حالت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

اور یاد کرو پھر جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ کر تمہارے لئے راستہ بنایا۔ اس طرح تمہیں بچالیا اور فرعون کے لوگوں کو ڈبو دیا اور تم (یہ سب) دیکھ رہے تھے۔

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو پھر تم نے اس کی غیر حاضری میں ایک بچھڑا بنالیا (پوجنے کے لئے) اور تم ظالم تھے۔

پھر اس پر بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا' تاکہ تم شکر گزار بنو۔"

﴿ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ۝ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۵۴)

"اور جب موسیٰ نے (واپسی پر) اپنی قوم سے خطاب کیا : "اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے' سو اب اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو قتل کرو (اس طرح کہ بچھڑے کو سجدہ نہ کرنے والے سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں)۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے لئے بہتر ہے (توبہ کی قبولیت کے لئے)۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ بے شک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان۔"

ایک اور موقع پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان کی نبوت تب تسلیم کریں گے جب وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے۔ یہ گناہ بھی معاف کر دیا گیا۔

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۵۵،۵۶)

"اور جب تم نے کہا : اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں' پھر تم کو بجلی نے آ پکڑا اور تم یہ دیکھ رہے تھے۔ پھر زندہ کیا ہم نے تم کو مرنے کے بعد تاکہ تم شکر گزار بنو۔"

یہود کیوں منتخب شدہ لوگ نہیں رہے؟ اب کیوں متبرک سرزمین پر ان کا حق ملکیت نہیں رہا؟

اب ہم ان کے وہ ظلم (چالبازیاں) جو معاف نہیں ہوئے' ان کا کا احاطہ کرتے ہیں' جن کی وجہ سے بنی اسرائیل بالخصوص یہود کے خلاف فردِ جرم عائد ہے۔

پہلا جرم : بنی اسرائیل (یا اہل کتاب یا یہود) پر پہلا الزام قرآن مجید میں یہ ہے کہ وہ سچائی کو جھوٹ سے ڈھانپتے تھے اور اس طرح سچائی کو چھپا دیتے تھے۔ یہ ان کی تورات میں کی گئی تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ تبدیلیاں جن سے وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے بنے رہیں' یا جو مالی منافع حاصل کرنے کے لئے یا کسی دنیاوی فائدے کے لئے کی گئی تھیں۔ تورات میں تبدیلیاں کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے تھے جو شرک ہے۔ اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ قرآن مجید اس موضوع پر تفصیلی بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید پہلے یہود پر تورات کے دوبارہ لکھنے اور اصل تورات جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' میں تبدیلیاں کرنے کا خصوصی الزام لگاتا ہے :

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلاً غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۵۹)

"پھر بدل ڈالا ظلم کرنے والوں نے اس قول کو خلاف اسکے جو کہا گیا تھا ان سے..."

﴿ . . . وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ . . . . ﴾ (البقرۃ ۲ : ۶۱)

"....اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیات کا (یعنی تورات میں نازل شدہ احکام کا)....."

﴿ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡھُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡہُ وَ ھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۷۵)

"(اے مسلمانو!) کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں گے تمہاری بات؟ جبکہ ان میں ایک فرقہ تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا' پھر جان بوجھ کر اس کو بدل ڈالتے تھے' حالانکہ وہ سمجھتے تھے۔"

پھر قرآن مجید یہود پر مالی فائدے کے لئے تورات کو تبدیل کرنے کا الزام لگاتا ہے :

﴿ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡھِمۡ ٭ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ ھٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَوَیۡلٌ لَّھُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡھِمۡ وَ وَیۡلٌ لَّھُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۷۹)

"پس ہلاکت و تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب (تورات) لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' تاکہ اس پر تھوڑا سا مول لے لیں۔ سو خرابی ہے ان کو اس ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اس کمائی سے۔"

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِھِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡھِمۡ ۚۖ وَ لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۷۴)

"بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کیا اور اس پر تھوڑا سا مالی فائدہ لیتے ہیں' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَھۡدِ اللّٰہِ وَ اَیۡمَانِھِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡھِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡھِمۡ ۪ وَ لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ ﴾ (آل عمران ۳ : ۷۷)

"بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کا سودا کرتے ہیں تھوڑے سے مالی فائدہ کے لئے تو آخرت میں ان کے لئے کچھ حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا' بلکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا بھی نہیں اور نہ ان کو

پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔"

﴿ ... وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ... ﴾ (البقرۃ ۲ : ۴۱)

"....اور نہ سودا کرو میری آیات کا (تورات میں تحریر احکام کا) تھوڑے سے مالی فائدہ کے لئے....."

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۴۲)

"اور صحیح میں غلط مت ملاؤ اور جان بوجھ کر سچ کو مت چھپاؤ۔"

پھر یہود (اور عیسائیوں) نے دین ابراہیم میں تبدیلیاں کر دیں جب انہوں نے تورات اور انجیل کو دوبارہ لکھا :

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۴۰)

"یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے قبیلے یہودی تھے یا نصرانی؟ کہہ دیجئے تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ تعالیٰ کو؟ اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت شدہ گواہی کو چھپایا؟ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے بے خبر نہیں ہے۔"

﴿ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران ۳ : ۲۴)

"....اور وہ بہک گئے ہیں اپنے دین میں اپنی ہی بنائی ہوئی باتوں پر۔"

ان بے شمار تبدیلیوں میں بہت سی ایسی تھیں جو تورات میں پیغمبر محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں پیشین گوئی چھپانے کے لئے کی گئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی اتنی شدید تھی کہ اس نے ان پر لعنت کی :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۵۹)

"بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں

(یعنی پیغمبر محمد ﷺ کے ظہور سے متعلق پیش گوئیاں) بعد اس کے کہ ہم اس کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب (تورات وانجیل) میں' ان پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس طرح دوبارہ لکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کو چھپایا جائے کہ وہ اس کے خلاف بیان ہو' یہ بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ لوگ جو ظلم اختیار کریں گے وہ میثاق کے خلاف کریں گے' لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے نہیں ہوں گے۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ ﴾

(الانعام۶ : ۲۱)

"اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر یا جھٹلا دے اس کی آیتوں کو......"

<u>دوسرا جرم</u> : قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حق رکھا ہے کہ وہ جس شے کو چاہے حلال ٹھہرائے اور جس کو چاہے حرام۔ یہ انسانی اختیار سے بالاتر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور یہ حق اختیار کرلے کہ حلال و حرام کے بارے میں قانون بنائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ میں دخل اندازی کی کوشش کر رہا ہے' اور یہ شرک ہے۔ دوسرے جو اس قانون کو تسلیم کریں وہ بھی انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے برابر درجہ دینے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی شرک ہے' جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہی چیز یہودیوں (اور عیسائیوں) نے اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی کا حوالہ دیا ہے' جب اس نے فرمایا :

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ ﴾

(الشوریٰ ۴۲ : ۲۱)

"کیا ان کے لئے اور شریک ہیں کہ بیان کیا ہے انہوں نے ان کے واسطے دین سے جس کا حکم (اذن) اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔"

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة ۹ : ۳۱)

"انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اور مسیح ابن مریم کو بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا خدا بنا لیا ہے۔ ان کو تو حکم ہوا تھا کہ ایک معبود کی بندگی کریں۔ کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے۔ وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔"

عدی بن حاتم نے جو ایک عیسائی عالم تھے، قبولِ اسلام کے بعد مندرجہ بالا آیت سننے پر رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا :

"اے اللہ کے رسول ﷺ! مگر وہ ان کی پوجا تو نہیں کرتے"۔ پیغمبر ﷺ نے جواب فرمایا : "ہاں! مگر وہ (عالم) لوگوں کو حلال سے منع کرتے ہیں اور حرام کی اجازت دیتے ہیں اور لوگ ان کی بات مانتے ہیں۔ یہ یقیناً ان (لوگوں) کا ان (عالموں) کی عبادت (پوجا) کرنا ہی ہے۔" (سنن الترمذی)

تیسرا جرم : ان الزامات میں سے جو تورات میں ان پر لگائے گئے، ایک ربا (ربا کی بہت سی قسموں میں سے ایک سود پر رقم قرض لینا / دینا ہے) کی ممانعت سے بد عہدی تھا۔ قرآن مجید میں یہود کے ربا لینے کے عمل، جسے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا، کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ ان کے اس عمل کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کے لئے اس کفر کی سخت ترین سزا کی وعید سنائی گئی ہے :

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

(النساء۴ : ۱۶۰-۱۶۲)

"سو یہود کے ظالمانہ رویہ کی بنا پر ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں بھی جو پہلے ان پر حلال تھیں (تورات میں) حرام کر دیں اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے بکثرت روکتے تھے۔

اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے حالانکہ ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی۔ اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے (دھوکہ دہی اور دھاندلی سے) اور ان میں

سے جو سچائی کے جو منکر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور ایمان والے ہیں (یعنی مسلمان) مانتے ہیں
اس کو جو نازل ہوا آپؐ کی طرف اور جو نازل ہوا آپؐ سے پہلے (ربا کی ممانعت کے
بارے میں)....."

قرآن مجید نے ربا کے ظلم کو سب سے بڑا ظلم بیان فرمایا ہے۔ اس نے یہود کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ وہ ربا لینے سے منع کئے گئے تھے۔

احبار کی کتاب میں تورات ربا کے متعلق بیان کرتی ہے :

"اور اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگ دست ہو تو اسے
سنبھالنا۔ وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے۔ تو اس سے سود یا نفع مت
لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا۔ تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ تو اپنا
روپیہ اسے سود پر مت دینا۔ اور اپنا کھانا بھی اسے نفع کے خیال سے نہ دینا۔"

(احبار ۲۵ : ۳۵۔۳۷)

پھر خروج کی کتاب میں تورات ربا کے بارے میں بیان کرتی ہے :

"اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو' کچھ قرض دے تو
اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا"۔

(خروج ۲۲ : ۲۵)

اور آخر میں کتاب استثناء میں تورات ربا کے بارے مں بیان فرمانی ہے :

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا' خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود' یا کسی ایسی
چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔
تو پردیسی (غیر یہودی) کو سود پر قرض دے تو دے' پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا
تاکہ خداوند تیرا خدا تجھ کو برکت دے....." (استثنا ۲۳ : ۱۹'۲۰)

قرآن مجید کی آیات جو یہود کے ربا لینے پر سخت ملامت کرتی ہیں اور تورات کی آیات جو یہود سے تو ربا لینے کو منع کرتی ہیں مگر غیر یہود (Gentiles) سے ربا لینے کی اجازت دیتی ہیں (جسے ڈبل سٹینڈرڈ کہا جاتا ہے) کا موازنہ کریں تو بلاشبہ شفاف نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تورات میں تبدیلی کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے :

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ .... ﴾

(البقرۃ ۲ : ۵۹)

"پھر بدل ڈالا ظالموں نے اس قول کو خلاف اس کے جو ان سے کہا گیا تھا......"

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۷۹)

"سو تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' تاکہ لیں اس پر تھوڑا مالی فائدہ۔ سو خرابی ہے ان کے اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے"۔

اس کتاب (تورات) میں تبدیلی کرنے کے جرم کی سخت ترین سزا یہ ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۷۴)

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ نازل کیا اللہ تعالیٰ نے کتاب میں سے (اس میں ربا کی ممانعت کو بھی الفاظ کی تبدیلی سے چھپانا شامل ہے) اور سودا کرتے ہیں اس کا تھوڑے سے منافع کے لئے' یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا"۔

چوتھا جرم : اللہ تعالیٰ نے یہود کا امتحان لینے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو جو ایک کنواری یہودی ماں کے بیٹے تھے' مبعوث فرمایا۔ سیدہ مریم اس سرزمین میں سب سے زیادہ پاکباز اور معصوم لڑکی تھی۔ ان کا تمام بچپن جوان ہونے تک عبادت گاہ میں زکریا علیہ السلام جو ایک برگزیدہ پیغمبر تھے' کی کفالت میں گزرا۔ جوان ہونے پر ان کو عبادت گاہ میں رہنے کی اجازت نہ مل سکتی تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو ایک بیٹے کی خبر دیں' باوجودیکہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور سیدہ مریم ان کو اپنی بانہوں میں اٹھائے اپنے لوگوں میں آئیں تو یہود نے زنا و بے حیائی کے بہتان کے ساتھ ہنگامہ آرائی سے ان کا استقبال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس (یہود کے بہتان) کو کفر قرار دیا ہے :

﴿ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النساء۴ : ۱۵۶)

"اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان باندھنے کے سبب (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی)"۔

ایک پاک دامن عورت پر بہتان باندھنا' خواہ اس کا رویہ غیر محتاط ہو' اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعث ملامت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (النور ۲۴ : ۲۳)

"جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں پاک دامن بے خبر ایمان والیوں کو' ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے"۔

گناہ کی زیادتی کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ سب عورتوں سے زیادہ پاک دامن اور ایسی عورت جو کبھی بھی غیر محتاط نہیں ہوئی' پر زنا کا بہتان باندھا گیا۔

پانچواں جرم : قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے ان کی مدد کی لیکن اکثر لوگ ان کے منکر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا :

﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ... ﴾

(الصف ۶۱ : ۱۴)

"پھر ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک (دوسرا) گروہ....."

آج جبکہ دو ہزار سال گزر چکے ہیں' یہود عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ بطور مسیح اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہونے کے منکر ہیں۔ جب تک یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ماننے کے منکر رہیں گے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کے میثاق سے خارج شدہ رہیں گے۔

چھٹا جرم : قرآن مجید میں یہود پر الزام ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا انکار کیا' ان کی مخالفت کی اور انہیں قتل کیا۔ جن کو قتل کیا ان میں یحییٰ علیہ السلام اور ان کے والد زکریا علیہ السلام تھے۔ اگرچہ قرآن مجید نے پیغمبروں کا نام ظاہر نہیں کیا لیکن انجیل میں اس کی تصدیق موجود ہے' جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے مروت سے الفاظ نہیں چھپائے :

"اسی لئے خدا کی حکمت نے کہا کہ میں نبیوں اور رسولوں کو ان کے پاس بھیجوں گی۔ وہ ان میں سے بعض کو قتل کریں گے اور بعض کو ستائیں گے۔ تاکہ سب نبیوں کے

خون کی جو بنائی عالم سے بہایا گیا' اس زمانہ کے لوگوں سے بازپرس کی جائے۔ ہابل کے خون سے لے کر اس زکریا کے خون تک جو قربان گاہ اور خدا کے مقدس گھر کے بیچ میں ہلاک ہوا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی زمانہ کے لوگوں سے سب کی بازپرس کی جائے گی۔" (لوقا ۱۱ : ۴۹' ۵۱)

قرآن مجید میں سخت ترین سزا (دردناک عذاب) کا ذکر ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے یہ جرم کئے :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ ﴾ (آل عمران ۳ : ۲۱)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو انصاف کرنے کا حکم کرتے ہیں لوگوں میں' سو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے"۔

﴿ ... وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۶۱)

"....اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ تعالیٰ کا غصہ لے کر لوٹے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ احکام خداوندی کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کا ناحق خون کرتے تھے (بالخصوص یحییٰ اور زکریا علیہما السلام کا قتل اور اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے قتل کی سازشیں)۔ اور یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔"

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنا کام مکمل کر چکے ہیں (یعنی وہ قتل کئے جا چکے ہیں) تو انہوں نے اس پر فخر کرنا شروع کر دیا۔

﴿ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾

(النساء ۴ : ۱۵۷)

"اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو' جو اللہ کا رسول تھا....."۔

انہوں نے پیغمبر محمد ﷺ کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی [۱] مگر جبرائیل علیہ السلام نے بروقت پیغمبر ﷺ کو سازش سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی حفاظت کا فوری بندوبست کرنے میں کامیاب رہے۔

یہ سب ظلم کے کام تھے جن کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ میثاق سے خارج کر دیئے گئے۔

ساتواں جرم : قرآن مجید یہود پر انسانوں میں سے اکثر کو گمراہ کرنے کا الزام عائد کرتا ہے :

﴿ ... وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ۝ ﴾ (النساء۴ : ۱۶۰)

"..... اور اس لئے کہ انہوں (یہود) نے بہت سوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکایا"۔

یہود کی طرف سے بہکائے گئے اولین لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تھے۔ پال جو یہودی تھا اور عیسائی بن گیا' آج کی عیسائیت کا اصل بانی تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے بالکل مختلف ہے۔ ایک مشہور عالم ڈاکٹر ہیولاک ایلس (Dr. Havelock Ellis) کا بیان ملاحظہ کیجئے :

"عیسیٰ کا مذہب ایسی قوم (یہود) کی ایجاد تھا جس نے خود اس مذہب کو قبول نہیں کیا... علم الٰہی یا مابعد الطبیعات سے کچھ زیادہ ہی سخت (طاقتور) جس نے ہمیں عیسیٰ کی تعلیمات کی روح سے منقطع کر دیا۔ وہ پال کی تعلیمات تھیں جو در حقیقت "عیسائیت" کا بانی تھا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کیونکہ جیروم آگسٹائن اور لوتھر' پال کے بچے (شاگرد) تھے اور کسی بھی طور عیسیٰ کے بچے (شاگرد) نہ تھے۔ اس شاندار چھوٹے سے یہودی نے عیسائیت کی تصویر کو اپنے فریم میں اس طرح سجایا جس نے صدیوں سے اس دنیا کے سٹیج پر ہمیں عیسیٰ سے محروم کر دیا۔" [۲]

ڈبلیو جے شیرڈ (W. J .Sheard) نے بھی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہود کو عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات' یہودیت کی بقا کے لئے بھی توڑ مروڑ کے پیش کرنی پڑیں۔ [۳] میرا اپنا نظریہ یہ ہے کہ کچھ یہودیوں نے انتقاماً اللہ تعالیٰ کے ہم پلہ ہونے کی کوشش کی' جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس طریقہ سے بھیجا کہ ان سے اپنا پیغمبر اور مسیحا بھیجنے کا وعدہ بھی پورا کر دیا مگر ساتھ ہی ان کو سخت امتحان میں بھی مبتلا کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کنواری ماں سے پیدا ہوئے۔ یہود اس امتحان میں ناکام ہو گئے کیونکہ انہوں نے سیدہ مریم پر زنا کا بہتان لگا کر عیسیٰ علیہ السلام

کو ناجائز بچہ قرار دیا۔ اس طرح وہ عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے' کیونکہ ناجائز بچہ مسیح نہیں ہو سکتا تھا۔

پال' عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی صف میں شامل ہو گیا اور ان کے بارے میں ایسا تاثر دیا جیسے کہ کوئی انسانی والد نہ ہونے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کا باپ اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا تھا۔ چونکہ باپ آسمانی تھا لہٰذا بیٹا بھی آسمانی ہونا چاہئے۔ (چنانچہ باپ خدا اور بیٹا بھی خدا)۔ مزید برآں وہ تمام معجزے (پانی پر چلنا' مردہ کو زندہ کرنا' بیمار کو شفایاب کرنا' پنگھوڑے میں باتیں کرنا' مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارنا اور اللہ کے اذن سے ان کا زندہ پرندے بن جانا) بواسطہ متبرک فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کے ظاہر کرتے تھے۔ اس طرح وہ متبرک فرشتہ بھی آسمانی ہونا چاہئے۔ پال کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ کو خدائے واحد ماننے کا عقیدہ بھی خلط ملط ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور تثلیث کا جو بیج پال نے بویا تھا وہ اب تناور درخت بن گیا۔

اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے پال کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ وہی طریقہ کار اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعتِ ربا کے بارے میں گمراہ کر رہا ہے۔

قرآن مجید میں یہود کے خلاف اور بہت سے الزامات ہیں۔ اور بلاشبہ قرآن کی رو سے یہود اب میثاق میں داخل (شامل) رہنے کے اہل نہیں رہے۔ وہ اب اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے نہیں رہے۔

قرآن مجید کی رو سے یہود اس کے اہل نہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں شمولیت کے درجہ پر فائز رہ سکیں۔ لہٰذا قرآن مجید کا موقف ہے کہ وہ متبرک سرزمین پر بھی حق ملکیت کے دعوئ کے اہل نہیں رہے۔

(جاری ہے)

حواشی :

۱۔ مارٹن لنگز کی کتاب : محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری۔ لندن' جارج ایلن اور انون۔
۲۔ سینٹ فرانسس اور دیگر کے مورال۔ اطوار اور لوگ۔ والس اینڈ کمپنی۔ لندن ۱۸۹۷۔
۳۔ عیسائیت کا بانی کون؟ عیسیٰ علیہ السلام یا یہود؟ اسلامک مشن کی عالمی فیڈریشن کراچی۔ ۱۹۶۷ء

امام ابوالقاسم طبرانیؒ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب صفر۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل وطن طبریہ تھا جو دریائے اردن کے قریب واقع ہے' اس لئے طبرانی کہلاتے تھے۔ مگر آخر عمر میں اصفہان میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

اساتذہ و تلامذہ

امام طبرانی کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق امام طبرانی نے ایک ہزار شیوخ سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں امام ابوزرعہ دمشقیؒ اور امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ بھی شامل ہیں۔ اور تلامذہ میں حافظ ابونعیم اصفہانی بھی شامل ہیں۔

تحصیل علم کے لئے سفر

امام طبرانی نے ۱۳سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے اپنے وطن طبریہ میں اصحابِ علم و فن سے استفادہ کیا۔ یعنی ۲۷۳ھ میں تعلیم کی طرف مشغول ہوئے' ۲۷۴ھ میں قدس اور ۲۷۵ھ میں قیساریہ تشریف لے گئے۔

اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک یعنی حمص' جبلہ' مدائن' شام' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' یمن' مصر' بغداد' کوفہ' بصرہ' جزیرہ' فارس اور اصفہان تشریف لے گئے اور ہر جگہ کے اصحابِ علم و فن سے اکتسابِ فیض کیا۔

علمی تبحر

علمائے سیر نے امام طبرانی کے علم و فضل اور صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کے حفظ و ضبط' عدالت و ثقاہت' اتقان و ذکاوت اور ان کے غیر معمولی حافظہ کا بھی اعتراف کیا ہے۔ علمائے سیر نے ان کو الحافظ الکبیر' احد الحفاظ' الحافظ

العلم' واسع الحفظ' اور من الثقات الاثبات المعدلین وغیرہ لکھا ہے۔

حدیث میں مرتبہ

امام طبرانی علم و فضل کے جامع اور فن حدیث میں نہایت ممتاز تھے۔ علمائے اسلام نے حدیث میں ان کی بصیرت' ژرف نگاہی اور وسیع العلم ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ علوئے اسناد میں بہت بلند مرتبہ تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں وسعت اور کثرتِ روایت میں یکتا اور منفرد تھے۔

فقہی مسلک

امام طبرانی کے فقہی مسلک کے بارے میں مولانا عبدالحلیم چشتی نے ان کو شافعی المذہب لکھا ہے۔ لیکن علمائے اسلام کا خیال ہے کہ امام طبرانی کا مسلک وہی تھا جو محدثین کرام اور ائمہ سنت کا تھا۔

دینی غیرت و حمیت

امام طبرانی میں بڑی دینی غیرت و حمیت تھی اور دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انہیں غیر معمولی محبت اور عقیدت تھی۔ اس لئے ان کی کوئی مذمت، اور تنقیص گوارا نہیں کرتے تھے۔

وفات

امام طبرانی نے ۲۸ ذی قعدہ ۳۶۰ھ بعمر سو سال وفات پائی اور ان کی نماز جنازہ ان کے شاگرد حافظ ابو نعیم اصفہانی نے پڑھائی۔

تصانیف

امام طبرانی کثیرالتصانیف تھے' لیکن ان کی کتابیں بھی قدیم مصنفین کی طرح محفوظ نہیں رہیں۔ مولانا عبدالحلیم چشتی نے عجالہ نافعہ کے فوائد میں امام طبرانی کی تصانیف کے نام جمع کئے ہیں۔ ان کی تلاش و جستجو کے مطابق ۷۹ کتابوں کے نام ملے ہیں۔ طوالت کے خوف سے آپ کی یہاں صرف چار کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) کتاب الدعاء : یہ امام طبرانی کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان،

دعاؤں کو جمع کیا گیا ہے جو صحیح سند سے مروی ہیں۔ اس کتاب میں پہلے دعا کے فضائل و آداب بیان کئے گئے ہیں، پھر آپؐ جس حال میں جو دعا کرتے تھے، ان کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں جمع کیا گیا ہے۔ اور کتاب کے آخری باب میں آیت قرآنی ﴿ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ﴾ کی تفسیر بیان کی ہے۔

معاجم ثلاثہ : امام طبرانی نے معجم میں تین کتابیں لکھی ہیں :

۱۔ معجم کبیر ۲۔ معجم اوسط ۳۔ معجم صغیر

محدثین کرام کی اصطلاح میں معجم ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں شیوخ کی ترتیب پر حدیثیں درج کی گئی ہوں۔

(۲) معجم کبیر : یہ دراصل مسند ہے، کیونکہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر ان کی مرویات کو شامل کیا گیا ہے، لیکن اس کی شہرت معجم کے نام سے ہوئی۔ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کثیر الروایت صحابی تھے، کی مرویات جمع نہیں کی گئیں۔ امام طبرانی ان کی روایات علیحدہ کتاب میں جمع کرنا چاہتے تھے، معلوم نہیں وہ یہ کتاب مرتب کر سکے یا نہیں۔ معجم کبیر بارہ جلدوں میں ہے۔

(۳) معجم اوسط : اس کتاب کو امام طبرانی نے شیوخ کے ناموں پر مرتب کیا ہے۔ اس میں امام صاحب نے تقریباً ایک ہزار شیوخ کے افراد و غرائب جمع کئے ہیں۔ امام صاحب نے یہ کتاب بڑی محنت اور کاوش سے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب ۶ ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۴) معجم صغیر : اس کتاب کی ترتیب بھی شیوخ کے ناموں پر ہے اور اس میں بھی ایک ہزار سے زیادہ شیوخ کی احادیث درج کی ہیں۔ اس کتاب میں امام طبرانی نے روایت اور راوی کے متعلق مختلف قسم کی تصریحات کی ہیں مثلاً حدیث کے ضعف و قوت، رفع اتصال، تفرد، شہرت اور غرابت، راویوں کے ضبط و ثقاہت یا وہم، وصف، کنیت، نام، لقب، قبیلہ، وطن اور بعض کے نسب نامے اور روایتوں میں فرق واختلاف اور کمی بیشی کی تصریح کی گئی ہے۔

امام طبرانی نے اس کتاب میں بعض احادیث کی تشریح بھی کی ہے اور اس کے ساتھ ائمہ فقہ اور محدثین کے اقوال بھی درج کئے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا : "جس نے چار کام کئے اس کو چار چیزیں عطا کی جاتی ہیں"۔ اور اس کا ذکر کتاب اللہ میں بھی ہے۔

۱) جس نے اللہ کو یاد کیا اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے۔

﴿ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرہ : ۱۵۲)

"پس مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں گا"۔

۲) جس نے دعا کی اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المومن : ۶۰)

"مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا"۔

۳) شکر کرنے والوں پر اللہ مزید فضل و انعام کرتا ہے۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ (ابراہیم : ۷)

"اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نوازوں گا"۔

۴) جو اللہ سے استغفار کرتا ہے اللہ اس کی مغفرت فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

﴿ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ ﴾ (نوح : ۱۰)

"اپنے رب سے مغفرت چاہو' بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے"۔

معجم صغیر ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کے آخر میں درج ذیل چار رسائل بھی شامل ہیں :

۱۔ غنیۃ اللامعی : مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ : اس رسالہ میں اصولِ حدیث اور بعض فقہی مسائل کے بارے میں سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

۲۔ التحفۃ المرضیۃ فی حل بعض مشکلات الحدیثیۃ : از شیخ علامہ حسین بن محسن انصاریؒ۔ اس رسالہ میں امام ترمذیؒ کی بعض اصطلاحات کی تحقیق کی گئی ہے۔

۳۔ رفع الیدین فی الدعاء : از علامہ حجر بن عبد الرحمٰن بن سلیمان بن یحییٰ زبیدی الیمانیؒ ۔ اس میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کو مدلل طور پر مسنون بتایا گیا ہے۔

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

قرآن اکیڈمی کراچی کے زیرِ اہتمام قائم

مدرسۃُ البَنات

(برائے اطفال و خواتین)

——ایک تعارف ——

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :

((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ))

”تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔“

لیکن آج ہم اپنے اطراف میں نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن کی تعلیمات کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور اللہ کی اس رسی کو بالکل چھوڑ دیا ہے' جس کے نتیجے میں ہم پستی اور گمراہی کے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں' حالانکہ دینی تعلیم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ خواتین کے لئے اس کی اہمیت کہیں زیادہ ہے کیونکہ ایک عورت کی گمراہی نسلوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہے اور ایک عورت کی سیرت و کردار کی اصلاح نسلوں کے لئے خیر و برکت کا باعث بنتی ہے۔ آج کل بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فحاشی کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ امر ناگزیر ہے کہ عورت کو اس کے اصل مقام کی طرف واپس لایا جائے۔

قیام

خواتین کے لئے دینی تعلیم کی اس اہمیت کی وجہ سے انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی نے قرآن اکیڈمی میں اگست ۹۶ء میں مدرسۃ البنات کا آغاز کیا۔ فروری ۹۹ء میں مدرسۃ البنات کو شعبۂ خواتین کے تحت کر دیا گیا۔ اس شعبہ کے زیرِ انتظام خواتین کے لئے جن تعلیمی و تدریسی امور پر کام کیا جا رہا ہے اس میں ایک سالہ کورس' سمر کورس اور ماہانہ درسِ قرآن بھی شامل ہے۔

اساتذہ اور انتظامیہ

① مارچ ۹۹ء سے شعبہ خواتین کی مشاورت کمیٹی کی بنیاد ڈالی گئی ہے جس کا اجلاس ہر ماہ باقاعدگی سے منعقد کیا جاتا ہے۔ اس کی صدارت کے فرائض ناظمہ شعبہ خواتین قرآن اکیڈمی انجام دے رہی ہیں۔ اس اجلاس میں مدرسہ کے انتظامی و تدریسی معاملات پر باہم مشاورت کی جاتی ہے' جس کے نتیجے میں مدرسہ کی کارکردگی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

② مدرسۃ البنات (شعبۂ خواتین) اس اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے کہ اس میں تدریس کی تمام ذمہ داریاں خواتین ادا کر رہی ہیں جو کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم سے بھی بہرہ ور ہیں اور یہ ذمہ داریاں کسی پیشہ کے طور پر نہیں بلکہ خالصتاً دینی جذبہ اور اصلاح معاشرہ و خدمت خلق کے مشن کے تحت اعزازی طور پر ادا کر رہی ہیں۔

③ شعبہ خواتین کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انتظامی و تدریسی خدمات انجام دینے والی اکثر خواتین نے اس شعبہ سے مستفید ہو کر تدریس کی استعداد حاصل کی ہے اور ان خواتین کی اکثریت تنظیم اسلامی میں شامل ہو چکی ہے۔

④ مدرسۃ البنات کے تمام اخراجات' مدرسہ کی فیس اور خواتین کے مالی تعاون کے ذریعہ پورے کئے جاتے ہیں۔

طلبہ و طالبات

اس مدرسہ میں خواتین' بچیاں اور ۱۰ سال سے کم عمر کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ شعبۂ خواتین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تائید و نصرت حاصل ہوئی ہے' جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکتوبر ۹۶ء میں طلبہ و طالبات کی تعداد ٦٨ تھی۔ اس میں روز بروز اضافہ ہوا اور جون ۹۹ء میں اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے اطفال و خواتین کی تعداد بڑھ کر ۱٦۵ ہو گئی۔

نصاب و کلاسز

اس مدرسہ میں طلبہ و طالبات مندرجہ ذیل کلاسز سے استفادہ کر رہے ہیں :

۱) تجوید (برائے اطفال و خواتین)
۲) عربی گرامر
۳) قرآن میں عربی گرامر کی اپلیکیشن
۴) ترجمہ و تفسیر قرآن
۵) منتخب نصاب
٦) مطالعۂ حدیث
۷) سیرتِ نبوی ﷺ
۸) لٹریچر
۹) ماہانہ درسِ قرآن
۱۰) سمر کورس

۱۱) ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

مدرسۃ البنات کے آغاز میں صرف دوپہر کی شفٹ ہوتی تھی جس میں تجوید، عربی گرامر اور اس کی اپلیکیشن اور تفسیر کی کلاسز ہوتی تھیں۔

۹۷ء کے اواخر سے صبح کے اوقات میں بھی عربی گرامر کی کلاسز شروع کی گئیں۔

فروری ۹۹ء سے خواتین کے لئے صبح کے اوقات میں ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کا آغاز کیا گیا جس میں طالبات کی تعداد ۴۵ تھی، لیکن Ist Term کے بعد ۳۷ رہ گئی۔

مدرسہ میں ہر سال امتحان سے فارغ ہونے والی طالبات کے لئے موسم گرما کی تعطیلات میں "سمر کورس" پچھلے دو سالوں سے منعقد کیا جا رہا ہے تاکہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں خواتین کم از کم دین کے بنیادی پہلو سے ہم آہنگی حاصل کر سکیں، جیسے تجوید، نماز کی اہمیت و طریقہ، اسلام میں عورت کا مقام اور حقیقت و اقسام شرک وغیرہ۔

ہر ماہ درس قرآن کا بھی انتظام کیا جاتا ہے جس میں دین کے عملی پہلو کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ جیسے تزکیہ نفس، رد بدعات، روزوں کی اہمیت، حضور ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں وغیرہ۔ اس درس کے لئے تنظیم اسلامی کی مختلف رفیقات مدرسہ کی خدمات انجام دیتی ہیں۔

الحمد للہ مدرسہ کے آغاز سے اب تک ۵۴ خواتین عربی گرامر کا کورس مکمل کر چکی ہیں جبکہ ۵۱ خواتین ابھی تک زیر تعلیم ہیں۔ ایک سالہ کورس نومبر ۹۹ء میں مکمل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدرسۃ البنات کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے خواتین کورنگی، ملیر، گلشن اقبال اور ناظم آباد جیسے دور دراز علاقوں سے آتی ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کی ناظمہ اور ان کی معاونت کرنے والی خواتین کی دین کی راہ میں سعی و جہد قبول فرمائے اور اس مدرسہ کی تعلیم کے سبب لوگوں کے علم میں اضافہ اور طرزِ عمل میں بہتری عطا فرمائے۔ آمین

(مرتبہ : شگفتہ بنت محمود)

قرآن اکیڈمی کراچی کے زیرِ اہتمام

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں شامل خواتین کے تاثرات

ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس سال انجمن خدام القرآن سندھ کراچی نے خواتین کے لئے بالکل علیحدہ ایک سالہ قرآن فہمی کورس کا انعقاد کیا۔ پیر ۸ فروری ۱۹۹۹ء سے باقاعدہ کلاسز کا آغاز ہوا۔ ایک سالہ کورس میں شامل طالبات کی خواہش تھی کہ کسی ایسے پروگرام کا بھی اہتمام کیا جائے کہ جس سے انہیں پڑھائی کے ساتھ ساتھ مل بیٹھ کر باہم گفت و شنید کا موقع بھی مل سکے۔ چنانچہ ناظمہ شعبہ خواتین قرآن اکیڈمی محترمہ شازیہ خالد صاحبہ نے اس کا اہتمام کیا۔

اس پروگرام میں ہمیں کئی ایمان افروز اور رقت آمیز جذبات بھی سننے کو ملے۔ محترمہ فرحت جعفرانی نے اس کورس میں شامل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنا کیریئر ایک ٹیچر کی حیثیت سے شروع کیا۔ ۱۹۸۵ء میں دوبئی میں ایک انگلش میڈیم اسکول میں ٹیچر تھی۔ ۱۹۹۰ء میں میرا رجحان دین کی طرف ہوا۔ پھر الحمد للہ ساتھی بھی اچھے ملے۔ جب میں نے اس اکیڈمی میں ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کرنے کا سوچا تو مجھ سے کہا گیا کہ تمہیں تو بہت کچھ آتا ہے، تمہیں یہ کورس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں ان لوگوں کی بات مان لیتی تو اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر پاتی، کیونکہ جو کچھ میں یہاں سیکھ رہی ہوں اور ان اساتذہ کی زیر نگرانی جن کی نظر صرف اور صرف آخرت پر ہے، وہ مجھے اپنے آپ سے ایک سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کیا مجھے بہتر عمل کے لئے نفع بخش علم کی اور ضرورت نہیں؟ اتنا سیکھنے کے بعد بھی اگر عمل نہ بڑھے تو میں اللہ کو کس طرح منہ دکھاؤں گی؟ ان شاء اللہ میں اپنے اسی علم کو اپنے عمل میں لانے کی کوشش کروں گی اور اس کو آگے بھی پہنچاؤں گی۔

شفق بنت ابوذر نے بتایا کہ مجھے ایک سالہ کورس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میرے گھر میں جو غلط عقائد اور بدعات تھیں وہ ختم ہو گئیں اور دین کا حقیقی تصور سامنے آیا۔ اللہ ہمارے اساتذہ کو جزائے خیر دے۔ شفق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور جذبہ شکر سے بے اختیار آبدیدہ ہو گئیں۔

کورس کی برکت سے اب تک چار خواتین تنظیم میں شامل ہو چکی ہیں جن میں ایک رفیقہ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر بھی ہیں۔ ڈاکٹر ثمینہ ظفر نے بتایا کہ ایک سالہ کورس کرنے کے بعد مجھے ہسپتال کی طرف سے متنبہ بھی کیا گیا' لیکن میں نے سوچا کہ کچھ بھی ہو جائے' میں ان شاء اللہ یہ کورس ضرور مکمل کروں گی۔

تنظیم میں شامل ایک اور طالبہ محترمہ تہمینہ مبارک نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ میں ۱۵ سال سے جماعت اسلامی میں تھی' کچھ اختلافات کی وجہ سے جماعت چھوڑ دی۔ اور اب میں ایک ایسی جماعت کی تلاش میں تھی جو علم کے ساتھ ساتھ دین پر عمل کرنے والی بھی ہو اور الحمد للہ تنظیم اسلامی کی شکل میں وہ قافلہ مجھے میسر آ گیا اور میں اس میں شامل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت دے۔

ایک طالبہ سحر گل نے کہا کہ میں قرآن اکیڈمی میں آئی تو کچھ ڈری ڈری سی تھی کہ شاید یہاں کا ماحول عام مدرسوں کی طرح سخت ہو گا۔ لیکن یہاں تو پہلے ہی دن خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ یہاں کی اساتذہ اتنی اچھی ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی بلکہ انہیں ٹیچر کے بجائے دوست کہیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ ہم ہر مسئلے پر ان سے تبادلۂ خیال کر لیتے ہیں۔ میرے والدین بھی میرے دین کی طرف آنے پر بہت خوش ہیں۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے یہ کورس مکمل کرنے کی توفیق دے۔

روحین انور خان نے بتایا کہ مجھے اکیڈمی میں لانے والے میرے والد ہیں جو خود بھی یہاں پر ایک سالہ کورس کر رہے ہیں۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ اگر میں نے دین کا علم حاصل کر لیا تو مجھے عمل بھی کرنا پڑے گا' مگر یقین کیجئے کہ جب میں نے منتخب نصاب کی پہلی کلاس (سورۃ العصر) attend کی تو مجھے میرے تمام سوالوں کا جواب مل گیا۔ اب الحمد للہ میرے ذہن میں قرآن یا حدیث کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ زندگی صرف اور صرف اللہ کے دین کے لئے وقف ہو اور میں ان شاء اللہ ایسا ہی کروں گی۔ آپ بھی دعا کریں۔ اس کے بعد وہ بے اختیار رونے لگیں۔

لانڈھی کی ۱۰ خواتین اور ملیر کی چند خواتین نے بھی اپنے تاثرات بیان کئے۔ اتنی دور سے صبح ہی صبح آنے والی خواتین کی ہمت و استقامت کی داد دینا پڑتی ہے۔ عاشی بنت ریاض' پروین اور مسرت نے کہا کہ آپ دعا کریں کہ ہم یہ کورس مکمل کر لیں۔ ان میں کئی خواتین جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی بات بھی پوری نہ کر سکیں۔

قرآن اکیڈمی میں ایسی کئی خواتین آتی ہیں جو اپنے بچوں اور گھر بار کی ذمہ داریوں میں مصروف

ہیں۔ وہ تمام مشکلات کے باوجود ایک سالہ کورس پورا کرنے کا عزم رکھتی ہیں۔ ہم وقت اور صفحات کی کمی کی وجہ سے ان خواتین کے تاثرات بیان نہیں کرسکتے۔ اللہ ہمیں علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق دے۔

میری رائے بھی یہی ہے کہ وہ خواتین جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ وقت یا سہولت دی ہے وہ اس طرح کے کورس ضرور کریں' کیونکہ یہاں خواتین اساتذہ کے ساتھ اپنی دینی ذمہ داریاں اور حقوق و فرائض پر براہ راست تبادلہ خیالکر سکتی ہیں۔ اور پھر کسی دانا کے قول "تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا" کے مصداق بہترین عورت کا کردار ادا کر سکتی ہیں' کیونکہ آج کی لڑکی مستقبل کی ماں ہے۔ اگر اسے اپنے حقوق و فرائض کا شعور ہو گا تو ان شاء اللہ ایک صحیح مسلم معاشرے کی داغ بیل پڑ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(رپورٹ : جمیلہ عبدالرحمٰن ہنگورہ)

بقیہ : سیرت و سوانح

۴۔ **الکشف من مجاوزة هذه الامة الالف** : از حافظ جلال الدین سیوطیؒ۔
اس رسالہ میں حدیث (ان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم لا یمکث فی قبره الف سنة) پر گفتگو کرکے اسے باطل قرار دیا گیا ہے۔

مراجع و مصادر

۱) ابنِ جوزی' المنتظم
۲) ابنِ خلکان' تاریخ ابنِ خلکان
۳) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ
۴) شاہ عبدالعزیز' بستان المحدثین
۵) محمد جعفر کتانی' الرسالۃ المستطرفہ
۶) خطیب بغدادی' لسان المیزان
۷) عبدالحلیم چشتی' عجالہ نافعہ مع فوائد الجامعہ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نبی اکرم کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

مطبوعہ

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے

ھدیۃ فی نسخۃ: ۶ روپے۔ تبلیغی مقصد کیلیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا: